MAJMA-UL-FAWAID

FOR THE USE OF

INTERMEDIATE EXAMINATION

BY

MOULVI SAYED HAMID ALI

Thoroughly Revised & Improved

BY

MOULVI MOHAMMAD WAKI, M.A.

AND

MOULVI MOHAMMAD RAFI SIDDIQI,

(FAZIL-I-DEOBAND)
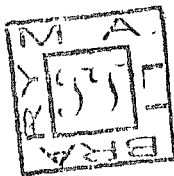
ALLAHABAD

RAI SAHIB RAM DAYAL AGARWALA

Publisher

1933

فہرست مضامین

عرض مترجم

۱۔ انٹرنس (ہائی اسکول) تک فصاحت کلام کے قواعد (صرف و نحو) پڑھائے جاتے ہیں۔ انٹرمیڈیٹ میں بلاغت کے قواعد کی ابتدا ہوتی ہے۔ اگر صرف و نحو کے مسائل چھوٹے لڑکوں کے لیے نئے نامانوس اور ذہن پر بار ڈالنے والے ہیں تو ایف اے کلاس کے طلبہ کے لیے بیان و بدیع کے مباحث بھی اسی قدر اجنبی، غیر دلچسپ اور طبیعت کو گھبرا دینے والے ہیں۔ لہٰذا اس میں فضول بحثیں نہ ہونی چاہئیں بلکہ مسائل کو مدلل، آسان اور واضح طور پر بیان کرنا چاہیے۔

چونکہ مجمع الفوائد میں بحر الفصاحت کی طرح سکاکی اور جاحظ کے اختلافات مولانا حالی اور شبلی پر اعتراضات درج کیے گئے تھے اور ان نامانوس اور غیر ضروری بحثوں سے قواعد کی ثقالت، خشکی اور ناگواری میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔

اس لیے مجمع الفوائد کی ترمیم ضروری معلوم ہوئی اور اب وقت وہ ترمیم شدہ صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ لیکن فی الحقیقت اب اس کو مشکل ہی سے مجمع الفوائد (ترمیم شدہ) کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں

(۱) ایک باب فن تنقید کا اضافہ کیا گیا ہے جس کا طرز بیان حتی الامکان آسان اور دلچسپ رکھا گیا ہے۔

(۲) ایک باب محاورات و امثال کا بڑھایا گیا ہے۔
(۳) علم بیان تمام و کمال اور علم بدیع کا کچھ حصہ از سر نو لکھا گیا ہے۔ دقت اور ثقالت دور کرنے اور مسائل کو آسان کرنے پر پوری محنت صرف کی گئی ہے۔

۲۔ اُردو اس صوبہ کی مادری زبان ہے اس کے لحاظ سے ادب و تنقید کا جتنا کچھ معیار ہونا چاہیئے افسوس ہے کہ نہیں ہے۔ بی اے کلاس کے اُردو طلبہ کو اکبارگی (بلا کسی سابقہ ابتدائی تعلیم کے) انتقاد پر مستقل کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ اس کی تمہید میں ابتدائی تنقید ایف۔ اے کلاس ہی سے شروع ہو اور اُردو کے طلبہ کو صحیح اور صالح ادب کی حقیقت معلوم ہو سکے۔

۳۔ اس کتاب کی ترتیب میں بحر الفصاحت اور تذکرۃ البلاغت سے کافی مدد لی گئی ہے۔ مسائل کے آسان بنانے اور سمجھانے میں اپنی طرف سے محنت اور غور و فکر کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا پھر بھی بتقاضائے بشریت ممکن ہے کہ بعض لغزشیں ہو گئی ہوں۔ اس لیے ارباب نظر سے گذارش ہے کہ مجھے ان سے مطلع فرمائیں گے تاکہ آئندہ اڈیشن میں انہیں دور کیا جا سکے۔

محمد وکیع۔ ایم اے
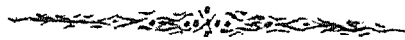
بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

قواعد زبان جاننے کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہم اپنے روزمرہ اور اپنی گفتگو کے اجزا کے اصطلاحی نام بھی جانیں مگر خود زبان بولنے اور جاننے کے لیے قواعد سے واقفیت کی ضرورت نہیں۔ زبان میں صحیح گفتگو کرنا تو صرف سنتے رہنے اور نقل کرنے سے حاصل ہوتا ہے بچے کو دیکھو ماں باپ، بھائی بہن کی گفتگو سنتا ہے اور اسی طرح خود بھی بولتا ہے مگر وہ کسی ایک جزو کلام کا بھی اصطلاحی نام نہیں جانتا۔ نفس ادب و زباندانی کی حقیقت اتنی ہی ہے۔ اس کے بعد زبان بولنے والے لوگوں کی علمیت، تہذیب اور شائستگی کے اعتبار سے ادب کے بھی درجے پست و بلند ہوتے ہیں۔ پھر اگر زبان بولنے والے قواعد و اصطلاحات زبان سے بھی واقف ہونا چاہیں تو اچھی بات ہے لیکن ضروری نہیں۔

بہر حال ادب اور زباندانی سے کماحقہٗ واقف ہونے کے لیے چند اقسام قواعد مقرر کئے گئے ہیں جن کو "علوم ادبیہ" کہتے ہیں انھیں کی واقفیت اور مہارت کا دوسرا نام "فصاحت و بلاغت" ہے ان میں اہم علوم یہ ہیں صرف، نحو، لغت، معانی، بیان، بدیع وغیرہ اس کی تشریح یہ ہے:-

صرف۔ وہ علم ہے جس سے لفظ کے تغیرات اور اس کی مختلف شکلیں معلوم ہوں۔ اس کے جاننے سے الفاظ صحیح و درست بولنا آتا ہے۔ فصیح لفظ قاعدے اور قیاس کے موافق معلوم ہوتے ہیں۔

نحو۔ وہ علم ہے جس سے الفاظ کو صحیح ترتیب و ترکیب سے ملا کر جملے بنا سکیں۔ اس کے جاننے سے انسان کلام کی صحیح ترتیب و بندش الفاظ کی غلطی کرنے (یعنی تعقید لفظی اور ضعف تالیف اور حذف الفاظ) سے بچتا ہے۔

لغت۔ وہ علم ہے جس سے الفاظ کے معنی اُن کا ماخذ اُن کی صحت اور فصاحت معلوم ہو۔ اس کے جاننے سے انسان اپنے مافی الضمیر کے لیے مناسب اور درست لفظ کا انتخاب کرتا ہے۔ اور غریب اور نامانوس لفظ سے بچتا ہے۔

مذکورہ تینوں علوم "علوم فصاحت" ہیں یاد رکھو ان میں کلمہ و کلام کی ظاہری شکل سے بحث ہوتی ہے جو مقصود و مدعا کے لیے لوازم خارجی ہیں۔ فصاحت کے لیے ان علوم کے علاوہ ایک اور چیز درکار ہے اور وہ سلامت ذوق اور سلامت طبع ہے۔ جس سے تنافر حروف (لفظ میں) اور تنافر کلمات (جملہ میں) معلوم ہو سکے۔

معانی۔ وہ علم ہے جس سے مافی الضمیر اور مقصود کو

ضرورت اور حالت کے عین مناسب ادا کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔

بیان۔ وہ علم ہے جس سے ہم ایک مضمون اور مقصود کو مختلف اور زیادہ واضح طریقوں سے ادا کر سکیں۔ اس کے جاننے سے انسان معنوی ابہام و تعقید سے بچ سکتا ہے۔

بدیع۔ وہ علم ہے جس سے کلام میں حسن سمجھنے یا پیدا کرنے کے طریقے معلوم ہوں۔

یہ تینوں علوم "علوم بلاغت" ہیں۔ ان میں معانی، بیان، اور بدیع داخل ہیں۔ ان میں معانی اور مضامین مقصودہ سے بحث کی جاتی ہے جو گفتگو کے لوازم داخلی ہیں۔

فصاحت اور بلاغت | فصاحت کلام کی تعریف یہ ہے کہ جو الفاظ استعمال کئے جاویں وہ لغت اور صرف و نحو کے موافق ہوں ضعف تالیف نہ ہو۔ ان کا تلفظ زبانوں پر گراں نہ ہو (تنافر نہ ہو) ان کا سمجھنا دشوار نہ ہو (غریب اور نامانوس الفاظ نہ ہوں) لفظوں کے آگے پیچھے ہونے یا حذف ہو جانے سے کلام کا مطلب واضح نہ ہو (تعقید لفظی و معنوی نہ ہو)

بلاغت کی تعریف یہ ہے کہ فصیح کلام کے ساتھ ساتھ کلام ضرورت اور موقع کے مناسب ہو [مثلاً تاکید وہاں استعمال کرے جہاں احتمال ہو کہ سننے والوں کو اس میں شک ہے۔ رنگینی وہاں

صرف کرے جہاں سننے والے اس کے اہل ہوں۔ رنج وغم کے موقع پر اپنا تاثر دکھائے۔ درخواست کی صورت میں اپنا عجز ظاہر کرے وغیرہ وغیرہ] اور اپنے مفہوم کو متعدد اور واضح طریقوں سے ادا کر سکے۔

دونوں کا فرق | یہاں سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ فصاحت اور بلاغت میں کیا فرق ہے۔ (۱) فصاحت لفظوں میں ہوا کرتی ہے اور بلاغت معنی و مفہوم میں (۲) فصاحت پہلے موجود ہو تو اس کے بعد اس میں بلاغت ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ گویا فصاحت جسم ہے اور بلاغت اس کا لباس۔ لہٰذا یہ کہنا "کہ فلاں کے کلام میں فصاحت نہیں ہے البتہ بلاغت ہے" مہمل ہے۔ کیونکہ بغیر فصاحت کے بلاغت نہیں ہو سکتی۔ کلام کا محض مناسب حال اور حسب موقع ہونا کیا اچھا معلوم ہو گا جب اس کے الفاظ ہی غلط ہوں اور ترکیب و ترتیب خلاف قاعدہ ہو۔ تلفظ ثقیل ہو اور مطلب واضح نہ ہو۔ البتہ بغیر بلاغت کے فصاحت پائی جا سکتی ہے۔
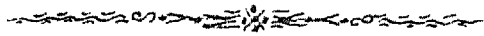
باب اوّل۔ علم بیان

جس علم یا جن قواعد سے ہم اپنے مقصود کو متعدد اور مختلف اور واضح تر طریق سے ادا کر سکیں تاکہ تعقید معنوی نہ رہ جائے اس کو "علم بیان" کہتے ہیں۔

ایک مفہوم کے لیے ایک ہی لفظ ہوتا ہے یا اگر کئی الفاظ بھی ہوئے تو یکساں ہی معنی دیتے ہیں مگر مختلف طریقوں اور پھر واضح تر اور واضح ترین طریقہ سے اپنے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ضرور ہم کو دوسرے دوسرے مفہوم کے الفاظ استعمال کرنے پڑیں گے جو دراصل وضع تو کئے گئے ہوں گے کسی دوسرے معین مفہوم کے لیے مگر یہاں اُن کا استعمال مجازاً ہوگا۔ اور اپنے مقصد کے لیے اس دوسرے لفظ کے لوازم اور متعلقات کا استعمال عقل سے کیا جائیگا۔

یہ تعریف اگر اچھی طرح سمجھ میں نہ آئی ہو تو اُس کو ایک مثال سے سمجھو۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ اکثر شعرا کے اشعار میں خیال ایک ہی ہوتا ہے مگر ذرا ذرا تبدیلی کے ساتھ۔ یہ سب علم بیان ہی کے اصول کے مطابق ہیں مثلاً محبوب کے حُسن کی تعریف کرنی ہے تو کسی نے یوں کہا کہ وہ حسین ہے۔ وہ خوبصورت ہے۔ وہ جمیل و شکیل ہے۔ لیکن ایسے جملے دو چار سے زائد نہ ہو سکیں گے

لیکن اگر الفاظ کو غیر حقیقی معنوں میں استعمال کر کے اسی خیال کو ادا کرنا چاہیں تو ذیل کے جملوں کی طرح بیشمار جملوں میں اس کو ادا کر سکتے ہیں مثلاً

(۱) وہ چاند کا ٹکڑا ہے (۲) اس کے دیکھنے سے آنکھوں میں چکاچوند آجاتی ہے (۳) وہ حسن کے سانچے میں ڈھلا ہے (۴) وہ مجسم حسن ہے (۵) حور و پری ہے (۶) سورج اُس کے سامنے بے نور ہے اور شرماتا ہے (۷) اس کے عکس سے بجلی سی چمک جاتی ہے (۸) وہ اندھیرے گھر کو روشن کر سکتا ہے (۹) قدرت نے اُسے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے (۱۰) وہ دریائے حسن ہے یہ اور اسی قسم کے بیشمار جملے جو بن گئے اور برابر بنتے چلے جاتے ہیں یہ سب علم بیان کے اصول سے بنے ہیں۔ مگر یہ مطلب نہیں کہ شعرا سب علم بیان پڑھے ہوئے تھے۔ نہیں بلکہ علم بیان کے اصول [یعنی حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنوں میں لفظ کو استعمال کرنا] یہ خود انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

حقیقت و مجاز | اگر لفظ اپنے اصلی معنی میں استعمال کیا گیا ہے تب تو اُسے **حقیقت** کہیں گے جیسے "شیر" کہیں اور وہی چیر پھاڑ کھانے والا خاص درندہ مراد لیں۔ یہ چیز صرف نحو اور لغت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا تعلق علم بیان سے نہیں ہے۔

اور اگر لفظ کو حقیقی معنوں میں استعمال نہیں کیا گیا ہے تو یہ مجاز ہے جیسے "شیر" کہیں اور مراد لیں اس سے "بہادر" یاد رکھو! یہی مجاز علم بیان کی بنیاد ہے اور زبان کے تمام محاورے اسی مجاز سے بنے ہیں اس لیے ان کا تعلق بھی علم بیان سے ہے۔ لیکن یہ مجاز کئی قسم کا ہوتا ہے اور ہر قسم کے نام جداگانہ ہیں۔ پھر ان کی متعدد قسمیں بھی ہیں۔ ان سب کا تفصیلی بیان آگے آئیگا۔ تاہم یہاں مجمل خاکہ ذہن نشین کرنے کے لیے ہم مختصراً تعریف و مثال اور ایک شجرہ لکھے دیتے ہیں۔

شجرہ

- لفظ
  - حقیقت (وضعی)
    - تشبیہ
  - مجاز (غیر وضعی)
    - کنایہ
    - مجاز مطلق
      - مجاز مرسل
      - استعارہ
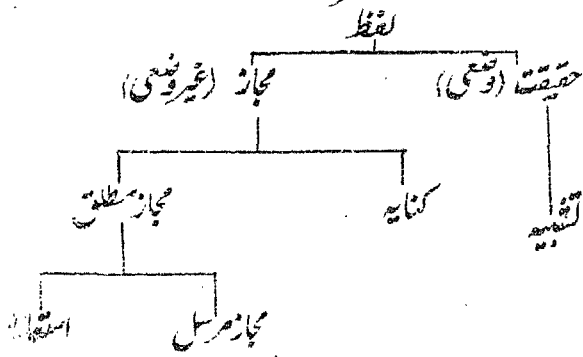
۱۔ اگر اصلی معنی مراد تو نہیں ہیں بلکہ ایسے معنی مراد ہوں جو اصلی معنوں کو لازم ہوں لیکن اگر اصلی معنی بھی مراد لیے جائیں تو غلط نہ ہو تو یہ "کنایہ" ہے جیسے "کالا [illegible]

سانپ مراد لیں "آستین چڑھانا یا چیں بہ جبیں ہونا" کہیں اور اُس سے غصہ ہونا مراد لیں۔ اور واقعی آستین کو اوپر چڑھانا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ "لمبے" کو بیوقوف کہنا اور "ناٹے" کو شریر کہنا۔ کالے بال سے جوانی اور سفید بال سے بڑھاپا مراد لینا بھی کنایہ ہے۔

۲۔ اگر اصلی معنی میں اور مجازی معنی میں تشبیہ کا تعلّق ہو تو وہ **استعارہ** کہلاتا ہے۔ جیسے "ماہ اور آفتاب" کہیں اور محبوب مراد ہو (حُسن میں) "صنم اور بُت" کہیں اور محبوب مراد ہو (غرور اور خاموشی میں) آواز ہیبت ناک کو صور کہدیں۔ سخی کو حاتم کہیں، طاقت والے کو رستم۔ فلسفی کو لقمان و سقراط بادشاہ کو سکندر۔ طبیب کو ارسطو۔ فصیح کو سحبان۔

۳۔ اگر اصلی معنوں اور مجازی معنوں میں مشابہت نہ ہو بلکہ کوئی اور علاقہ [سبب و مسبّب، جزو و کل۔ ظرف و مظروف وغیرہ کا] ہو تو اُس کا نام **مجاز مرسل** ہے جیسے کہیں کہ "ان کا معاملہ تو میرے ہاتھ میں ہے" یہاں ہاتھ سے مراد قابو ہے یا کہیں کہ "دریا بہ رہا ہے" یہاں دریا سے مراد دریا کا پانی ہے ورنہ دریا نہیں بہتا۔

بہر حال علم بیان میں (مجاز کی قسموں) استعارہ، مجاز مرسل

اور کنایہ کا بیان ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ استعارہ کے سمجھنے کے لیے پہلے تشبیہ کا سمجھنا ضروری ہے (اور تشبیہ حقیقت سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ مجاز سے) اس لیے کنایہ، استعارہ۔ مجاز مرسل کے ساتھ تشبیہ کا بھی ذکر ضروری ہے۔

ہم ان چاروں میں سے ہر ایک کو ایک ایک فصل میں بیان کریں گے۔

فصل اوّل۔ تشبیہ

تشبیہ کی تعریف قواعد والوں نے یوں کی ہے کہ دو چیزیں ایک معنی میں اس طرح شریک ہوں کہ وہ شرکت بطور "استعارہ" اور "تجرید" کے نہ ہو۔ مگر یہ تعریف مجہول بہ مجہول ہے۔ ہم آسان الفاظ میں اس کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

"ایک چیز میں کسی دوسری مشہور چیز کا وصف ثابت کرنا" تشبیہ ہے۔

لیکن تشبیہ میں ایک امر کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔

ہر شئے کے لیے دو چیزیں ہوا کرتی ہیں۔ "حقیقت" اور "وصف" تشبیہ میں نہ تو یہ چاہیئے کہ طرفین تشبیہ، حقیقت اور وصف میں بالکل متحد ہوں اور نہ بالکل مغائر کہ دونوں میں کوئی مناسبت ہی نہ ہو۔ بلکہ اگر حقیقت ایک ہو تو چاہیئے کہ وصف

جداگانہ ہوں۔ اگر وصف ایک ہو تو حقیقت کو جداگانہ ہونا چاہیے مثلاً "زید مثل حاتم کے ہے" اگرچہ زید اور حاتم کی حقیقت یعنی انسانیت ایک ہے مگر اوصاف جداگانہ ہیں کہ ایک سخی تھا۔ دوسرا نہیں تھا یا اس درجہ کا سخی نہیں تھا یا مثلاً یوں کہیں کہ "یہ آدمی شیر کی طرح سے بہادر ہیں" اس میں حقیقتیں جداگانہ ہیں یعنی ایک انسان ہے دوسرا حیوان۔ مگر وصف بہادری ایک ہے۔ ان دونوں صورتوں میں تشبیہ دینا مناسب اور درست ہے۔ لیکن یوں کہنا کہ "یہ کتا فلاں کتے کی طرح سے دوڑنے میں" یہ تشبیہ نہیں تشابہ ہے کیوں کہ دونوں کو محض برابر بتایا گیا ہے یا یوں کہنا کہ "یہ آدمی مثل کتاب کے ہے سخاوت میں"۔ یہ دونوں صورتیں تشبیہ کی غلط ہیں۔ پہلی صورت میں "تشابہ و تماثل" ہے کیوں کہ وصف بڑھایا نہیں کہ زور اور قوت آئے۔ دوسری صورت میں کتاب اور سخاوت میں کوئی لگاؤ نہیں کہ آدمی میں وہ وصف ثابت ہو۔

ارکان تشبیہ | تشبیہ میں پانچ چیزیں ہوتی ہیں (۱) جس کو تشبیہ دی جائے اُس کا نام "مُشَبَّہ" ہے (۲) جس سے تشبیہ دی جائے اُس کو "مُشَبَّہ بہ" کہتے ہیں (۳) وہ وصف جو طرفین تشبیہ (مشبہ و مشبہ بہ) میں مشترک ہو (اور جو دونوں

کو یکساں بتانے کی وجہ ہو) یہ "وجہ شبہ" ہے (۴) وہ حرف جس کے ذریعہ سے دونوں کو یکساں کہا جائے۔ اس کو "حرف تشبیہ" یا "اداۃ تشبیہ" کہتے ہیں (۵) تشبیہ دینے کا سبب اور اس کی علت اس کا نام "غرض تشبیہ" ہے۔

ان پانچوں چیزوں میں سے غرض تشبیہ تو لفظوں میں ظاہر نہیں کی جاتی البتہ جملہ میں اوپر کی چاروں چیزیں یا حسب ضرورت دو ایک چیزیں کم ہوتی ہیں مگر تشبیہ ہر صورت میں ہے۔ ہم ہر ایک کی مثالیں دیتے ہیں۔

۱۔ چاروں ارکان تشبیہ کا ذکر کریں۔ جیسے ہم کہیں "زید سخاوت میں حاتم کی طرح ہے" اس جملہ میں زید مشبہ ہے۔ حاتم مشبہ بہ ہے۔ سخاوت وجہ شبہ ہے۔ طرح حرف تشبیہ۔ غرض تشبیہ زید کے سخاوت میں بہت زیادہ متصف ہونے کا اظہار ہے۔ جو ذہن میں ہے۔ اس میں چاروں چیزیں موجود ہیں یہ صورت بہت عام فہم ہے اس لیے زیادہ مثالیں درکار نہیں ہیں اور یہ تشبیہ کی اچھی صورت نہیں۔

۲۔ حرف تشبیہ نہ ہو۔ "موہن حسن میں آفتاب ہے" موہن مشبہ، آفتاب مشبہ بہ، حسن میں وجہ شبہ، تین چیزیں موجود ہیں۔ حرف تشبیہ اس میں محذوف ہے یعنی (آفتاب کی) مانند

اور طرح یا شعر:-

"پھل وزن میں تھا پھول تجلّی میں نخل طور
گرمی میں محض نار تو نرمی میں صاف نور"

اس میں پھل مشبہ ہے۔ اس کی چار تشبیہیں ہیں۔ وزن۔ تجلی۔ گرمی۔ نرمی۔ یہ چاروں وجہ شبہ ہیں اور پھول۔ نخل طور۔ نار، نور مشبہ بہ ہیں۔ یہاں تین ارکان تشبیہ موجود ہیں۔ حرف تشبیہ محذوف ہے۔

یہ صورت تشبیہ کثرت سے رائج اور پسند عام ہے۔

۳۔ **وجہ شبہ اور حرف تشبیہ نہ ہو۔** جیسے "فلاں طبیب ارسطو ہے" اس میں طبیب مشبہ ہے اور ارسطو مشبہ بہ۔ یہاں صرف طرفین تشبیہ مذکور ہیں۔ باقی وجہ شبہ (یعنی طب کی مہارت) اور حرف تشبیہ یہ دونوں چیزیں محذوف ہیں۔

مثال دیگر۔ شعر:-

"لعل لب۔ دانت، گہر۔ پانوں عقیق یمنی سر سے پا تک وہ صنم کانِ جواہر نکلا"

اس میں لب، دانت اور پانوں مشبہ ہیں۔ اور لعل، گہر اور عقیق یمنی مشبہ بہ ہیں۔ صرف طرفین تشبیہ کا ذکر ہے اور باقی وجہ تشبیہ اور حرف تشبیہ محذوف ہے۔

یہ صورت بھی رائج اور پسند عام ہے۔

[دُرِ دنداں - سقائے ابر - دایۂ بہار - مادر وطن وغیرہ ترکیبیں اسی قبیل کی ہیں]

تشبیہ کی یہ صورت بہت قوی اور مقبول ہے۔

۴- وجہ شبہ نہ ہو۔ جیسے "غلام پہلوان رستم کی طرح ہے"

اس میں غلام پہلوان مشبہ، رستم مشبہ بہ اور طرح حرف تشبیہ ہے تین چیزوں کا ذکر ہے اور وجہ تشبیہ یعنی طاقت اور زور یا داؤں پیچ کا جاننا محذوف ہے۔

مثال دیگر۔ ع جب سے دیکھا ہے ترے پھول سے رخساروں کو

ع تمہارے چاند سے چہرے نے بھی کمال کیا

ان مثالوں میں رخسار اور چہرہ مشبہ ہیں۔ پھول اور چاند مشبہ بہ ہیں اور "سے" حرف تشبیہ مگر وجہ تشبیہ یعنی رخسار اور پھول میں نرمی، نازکی اور شادابی۔ اور چہرہ اور چاند میں "حسن" محذوف ہے۔

یہ صورت بھی پسند عام اور رائج ہے۔

۵- مشبہ نہ ہو۔ یہ صورت سوال کے جواب میں ہو سکتی ہے مثلاً کوئی پوچھے کہ "زید کیسا ہے"؟ جواب میں کہیں کہ "بہادری میں شیر کی طرح ہے"! یہاں سے زید مشبہ محذوف ہے۔

۶۔ **مشبہ اور وجہ شبہ نہ ہوں** ۔ یہ صورت بھی سوال کے جواب میں ہو سکتی ہے مثلاً کوئی پوچھے کہ "زید کیسا ہے"؟ تو جواب میں کہیں کہ "شیر کی طرح ہے"، یہاں سے زید مشبہ اور بہادری میں وجہ شبہ محذوف ہے۔

۷۔ **مشبہ اور حرف تشبیہ نہ ہوں** ۔ یہ صورت بھی سوال کے جواب میں ہوگی مثلاً کوئی پوچھے کہ "زید کون ہے"؟ تو جواب میں کہیں کہ "بہادری میں شیر ہے" یہاں سے زید مشبہ اور طرح وجہ شبہ محذوف ہے۔

۸۔ **مشبہ وجہ شبہ اور حرف تشبیہ تین ارکان نہ ہوں** ۔ یہ صورت بھی سوال کے جواب میں ممکن ہے جیسے کوئی کہے کہ "زید کون ہے"؟ تو جواب میں کہیں "شیر ہے" یہ صورت تشبیہ کی بہت قوی ہے۔

یاد رکھو کہ تشبیہ کی خوبی اور قوت اس میں سمجھی جاتی ہے کہ اس کو بالکل طفلانہ عبارت نہ بنادی جائے کہ اس میں حرف تشبیہ، طرفین تشبیہ اور وجہ شبہ سبھی موجود ہوں ایسی صورتیں کم مستعمل اور کم مقبول ہیں لیکن اگر حرف تشبیہ اور وجہ شبہ دونوں یا ان میں سے ایک حذف ہو تو ذہن کو غور کے بعد مطلب سمجھنے میں لذت حاصل ہوتی ہے۔

نیز وجہ شبہ کے ظاہر کرنے میں یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کا درجہ علیحدہ علیحدہ ہے۔ لیکن اگر وجہ شبہ حذف ہو تو معلوم ہو گا کہ مشبہ کو عین مشبہ بہ فرض کیا گیا۔ اس صورت میں مبالغہ اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ سوال کے جواب میں اگر مشبہ محذوف ہو (مثلاً کوئی پوچھے کہ زید کون ہے؟ تو ہم کہیں کہ شیر ہے) اس میں مشبہ کا محذوف ہونا لفظوں میں موجود رہنے کے برابر ہی سمجھا جائے گا۔ اور یہ صورت بھی تشبیہ ہی کی مانی جائے گی۔ استعارہ بھی اسی کے قریب قریب ہے کہ ہم کہیں کہ شیر آیا۔ اور مراد ہو زید اس میں بھی مشبہ کو محذوف رکھا ہے اور مشبہ بہ کو ذکر کیا ہے مگر یہ استعارہ ہے۔

ا۔ طرفین تشبیہ

شجرہ طرفین تشبیہ

- بلحاظ لفظ
  - مفرد
  - مرکب
  - متعدد
- بلحاظ معنی
  - عقلی
  - حسّی

مشبہ اور مشبہ بہ کو معنی یا (بقول بعض) نوع کے لحاظ سے
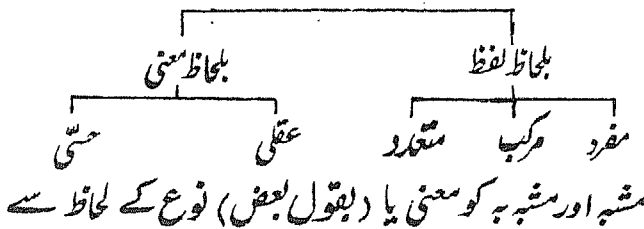
دیکھا جائے تو دونوں کی دو قسمیں ہوں گی۔ حسّی - عقلی - لیکن کبھی مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسّی ہوں گے۔ کبھی دونوں عقلی۔ کبھی مشبہ حسّی ہوگا اور مشبہ بہ عقلی۔ اور کبھی مشبہ عقلی ہوگا اور مشبہ بہ حسّی۔ یہ کل چار صورتیں ہوئیں۔

حسّی مشبہ اور مشبہ بہ وہ ہیں جن کو ہم اپنے حواس ظاہری سے یعنی لامسہ سے (چھو کر) باصرہ سے (دیکھ کر) سامعہ سے (سُن کر) شامہ سے (سونگھ کر) یا ذائقہ سے (چکھ کر) یا خیال سے معلوم کر سکیں۔ جس میں اگرچہ خیال داخل نہیں ہے مگر داخل مانتے ہیں۔

عقلی مشبہ اور مشبہ بہ وہ ہیں جن کو غور و فکر سے معلوم کیا جا سکے ان کا تعلق حواس سے نہ ہو۔ فکر میں اگرچہ وہم داخل نہیں ہے مگر لوگوں نے اس کو بھی عقلی میں داخل مانا ہے۔ اس لحاظ سے تشبیہ کی سات صورتیں ہوئیں۔ چار تو وہ جن میں طرفین تشبیہ حسّی اور عقلی محض ہیں۔ لیکن تین صورتیں اور بھی ایسی ہیں جن میں صرف مشبہ بہ کبھی حسّی خیالی ہوگا کبھی عقلی وہمی اور کبھی عقلی وجدانی۔

۱۔ طرفین تشبیہ حسّی | حسّی مشبہ اور مشبہ بہ کی ہر ایک قوت کے اعتبار سے کئی کئی مثالیں حسب ذیل ہیں۔

لامسہ۔ شعر۔

جس کفِ پا کو برگ گل ہو خار ۔ حیف ہے خار سے وہ ہووے فگار

برگ گل کو خار سے تشبیہ دی ہے اور ملائمی یا کھردرے پن کو ہم چھو کر معلوم کر سکتے ہیں۔

مثال دیگر۔ شعر

یہ خار دشت بھی نرمی میں خواب مخمل ہے ہر ایک تار رگ سنگ بھی ہے تار حریر

تار رگ سنگ کو اور کانٹوں کو نرمی میں مخمل کے خواب (روئیں) اور تار حریر کی طرح کہا ہے اور نرمی یا سختی کو ہم چھو کر معلوم کر سکتے ہیں۔

مثال دیگر۔ شعر

کہوں کیا جلد کی اس کی صفائی ہو جیسے دودھ پر ہلکی ملائی

چمڑے کو ملائی کہا ہے اور اس کی ملائمی چھونے ہی سے معلوم ہوتی ہے۔

شعر:-

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

لب مشبہ اور گلاب کی پنکھڑی مشبہ بہ اور ان کی نازکی وجہ شبہ ہے جو چھونے سے معلوم ہوتی ہے۔

باصرہ۔ شعر

ذقن یار میں کی خط نے رسائی پیدا چاہ یوسف میں خضر بہر تماشا اترا

ذقن (ٹھڈی) کو چاہ یوسف سے اور خط سبز (بال) کو خضر سے

تشبیہ دی اور ان دونوں کی دریافت کا تعلق بینائی سے ہے۔

مثال دیگر۔ شعر:-

وہ مسیحادم و یوسف رخ و داؤد الحان   وہ سلیمان وش و موسیٰ کف و صالح اعمال

الحان داؤد کی تشبیہ چھوڑ کر کہ وہ سامعہ سے متعلق ہے۔ یوسف رُخ و سلیمان وش اور موسیٰ کف اور صالح اعمال باصرہ سے متعلق ہیں۔

مثال دیگر۔ شعر:-

آنکھ اپنی کسی کے دُرِ دندان سے لڑی ہے   جو اشکِ مسلسل ہے وہ موتی کی لڑی ہے

اس میں دندان کو "دُر" سے اور اشکِ مسلسل کو موتیوں کی لڑی سے تشبیہ دی ہے، جس کا تعلّق دیکھنے ہی سے ہے۔

مثال دیگر۔ ع

"سرو سا قد تو گُل سے رخسار ہے"

سرو مشبہ بہ ہے اور قد مشبہ۔ گُل مشبہ بہ ہے اور رخسار مشبہ اور یہ چاروں چیزیں بھی دیکھی ہی جا سکتی ہیں۔

سامعہ: مثال۔ شعر:-

پُر ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

شکوے کو راگ سے تشبیہ دی ہے جس کا تعلق سننے سے ہے (باجے کی تشبیہ باصرہ سے متعلق ہے اس کی یہاں بحث نہیں ہے)

مثال دیگر۔ شعر:-

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں　　غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

اس میں قلم کی چر چراہٹ کو فرشتوں کی آواز کہا ہے جو سننے سے معلوم ہو سکتی ہے۔

مثال دیگر۔ شعر:-

نوبت ہے صدائے قمریاں کی　　تیاری ہے باغ میں اذاں کی

صدائے قمری کو اذان سے تشبیہ دی ہے اور اس کو ہم سُن کر معلوم کر سکتے ہیں۔

شامّہ = مثال = شعر:-

عطرِ گلاب شیشے میں رکھا ہے کھینچ کر　　دل میں خیال ہے عرق روئے یار کا

اس میں محبوب کے پسینہ کو عطرِ گلاب کہا ہے ان چیزوں کا تعلق سونگھنے سے ہے (دل اور شیشہ کی تشبیہ سے یہاں بحث نہیں)

مثال دیگر۔ شعر:-

دل برشتہ کی اسطرح بُو ہے سینہ میں　　کہ جیسے سوختہ داغوں کی ہو اجاغ میں بُو

جلے ہوئے دل کو بھُنے ہوئے داغوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس کا تعلق سونگھنے سے ہے۔

ذایقہ۔ جیسے۔ ع

"شراب تلخ بھی ہے سیکشوں کو شیر و شکر"

شراب تلخ مشبہ اور شیر و شکر مشبہ بہ اور ان کا تعلق چکھنے سے ہے۔

مثال دیگر۔ شعر:

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا پانی بھی پھر پئیں تو مزہ ہو شراب کا

پانی مشبہ اور شراب مشبہ بہ ان کے مزہ کا دریافت کرنا قوت ذائقہ سے متعلق ہے۔

مثال دیگر۔ شعر

جھوٹی شراب اپنی مجھے مرتے دم تو دے یہ آب تلخ شربت قند و نبات ہے

آب تلخ مشبہ اور شربت مشبہ بہ اور تلخی یا شیرینی چکھنے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔

۲۔ **طرفین تشبیہ عقلی** وہ ہیں جن کا تعلق حواس سے نہ ہو بلکہ ان کو غور و فکر سے معلوم کریں جیسے علم کو زندگی سے تشبیہ دیں اور ادراک کو وجہ شبہ مانیں یا جہالت کو موت کہیں اور ادراک نہ ہونے کو وجہ شبہ قرار دیں۔ اور علم و جہالت کو یا زندگی اور موت کو ہم حواس سے دریافت نہیں کر سکتے۔

مثال دیگر۔ شعر

مت مردمک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں

نگاہ جو مشبہ ہے وہ بھی عقلی اور آہ جو مشبہ بہ ہے وہ
بھی عقلی ہے۔

مثال دیگر: شعر:۔

وہ طب جس سے غرض ہیں ہمارے اطبا   جسے عیب کی طرح کرتے ہیں اخفا

یہاں طب مشبہ اور عیب مشبہ بہ ہے اور دونوں عقلی ہیں۔

۳۔ مشبہ حسّی اور مشبہ بہ عقلی | شعر:۔

قیامت قامت و رفتار آفت   زباں سحر و بیاں نورٌ علیٰ نور

قامت جو مشبہ ہے وہ محسوس ہے مگر قیامت جو مشبہ بہ ہے
وہ عقلی ہے۔ اسی طرح رفتار مشبہ ہے اور محسوس مگر آفت
جو مشبہ بہ ہے وہ عقلی ہے۔ اسی طرح زبان مشبہ ہے اور محسوس
مگر سحر جو مشبہ بہ ہے وہ عقلی ہے۔ [چوتھی تشبیہ بیان اور نور
کی یہاں خارج از بحث ہے]

ع:۔ "بدلا مانند رنگ جوڑا"

جوڑا مشبہ ہے اور حسّی مگر رنگ مشبہ بہ ہے جو عقلی ہے۔

شعر:۔

جب نام خدا جواں ہوا وہ   مانند نظر رواں ہوا وہ

ظاہر ہے کہ وہ (یعنی تاج الملوک) مشبہ ہے اور حسّی۔ مگر جس

ہے اس کو تشبیہ دی گئی ہے یعنی "نظر" وہ معقول ہے۔
شعر:۔

ہنسے جو وہ مرے رونے پہ تو صف مژگاں   نہ سمجھو تم اسے دیوار قہقہہ سمجھو

صف مژگاں مشبہ ہے اور محسوس۔ دیوار قہقہہ مشبہ بہ ہے اور معقول۔ کیونکہ یہاں وجہ شبہ ہنسنا ہے۔

۴۔ مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی جیسے خُلق کو عطر یا خوشبو دار ہوا سے تشبیہ دیں یا موت کو درندہ سے تشبیہ دیں۔ خُلق اور موت مشبہ ہیں مگر عقلی اور عطر شمیم یا درندہ مشبہ بہ ہیں اور محسوس اشیاء ہیں۔

مثال دیگر: شعر:۔

ہوں وہ بُلبل جو کرے ذبح خفا ہو ہو کر   روح میری گل عارض میں رہے بو ہو کر

[اس میں پہلی تشبیہ اپنی بُلبل کے ساتھ یہاں زیر بحث نہیں ہے کیونکہ اس میں طرفین تشبیہ حسی ہیں] دوسری تشبیہ روح کی بو کے ساتھ ہے۔ روح مشبہ ہے اور معقول اور بو مشبہ بہ ہے اور محسوس۔

مشبہ تو بس حسی محض اور عقلی محض ہوتا ہے۔ لیکن جیسا ہم اوپر کہہ آئے ہیں مشبہ بہ حسی محض اور عقلی محض ہونے کے علاوہ حسی خیالی۔ عقلی وہمی اور عقلی وجدانی ہوتا ہے لہٰذا اب ہم ذیل میں ان کی تعریف اور مثالیں بھی دیتے ہیں۔ ان تینوں

صورتوں میں مشبہ بیشتر حسی محض ہی ہوتا ہے عقلی محض کم ہوتا ہے۔

۵۔ مشبہ حسی اور مشبہ بہ حسی خیالی

حسی خیالی مشبہ بہ وہ ہے کہ حواس سے تو وہ شئی معلوم نہ ہو لیکن اس کے اجزاء علیحدہ علیحدہ خارج میں موجود اور محسوس ہوں، مثلاً

شعر:۔

"تشبیہ دے چکا ہوں میں مار دو سر کے ساتھ زلفوں کو اس کی ہاتھ لگا تا ہوں ڈر کے ساتھ"

زلف مشبہ ہے اور حسی محض ہے اور مشبہ بہ مار دو سر ہے مگر دو منہ والا سانپ محض خیالی ہے۔ کیونکہ سانپ کا وجود خارج میں تو ہے اور ہم کو محسوس ہوتا ہے لیکن اس سے ایک مار دو سر صرف خیال نے پیدا کر لیا ہے۔

مثال دیگر، شعر:۔

فندق پا لگی کہنے کہ نہ دیکھا ہوگا سرو کی بیخ پہ پھولا گل اورنگ اب تک

مطلب شعر کا یہ ہے کہ محبوب سرو قد ہے اس کے پانوں میں فندق (مہندی) جو لگی ہے اس کی مثال ایسی ہے گویا سرو کی جڑ کے اوپر کوئی سرخ پھول کھلا ہے۔ اس میں فندقِ پا مشبہ ہے جو حسی محض ہے اور "سرو کی بیخ پہ گل اورنگ" مشبہ بہ ہے جو حسی خیالی ہے۔ کیونکہ سرو کی جڑ میں گل اورنگ کبھی نہیں

پھولتا۔ لیکن سرو۔ جڑ۔ گل اور ناگ وغیرہ جو مشبہ بہ کے اجزا ہیں
وہ علیحدہ علیحدہ سب موجود ہیں اور ہم ان چیزوں کو دیکھتے ہیں۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

پڑا ان کی چوٹی میں جالی کا موباف   نظر آئے دو سانپ اک کینچلی میں

چوٹی اور جالی کا موباف مشبہ ہیں جو حسّی محض ہیں اور دو سانپ
کا ایک کینچلی میں ہونا مشبہ بہ ہے جو خیالی ہے کیونکہ اگرچہ کینچلی اور
دو سانپ دونوں خارج میں موجود اور محسوس ہیں۔ مگر دو سانپ
کا ایک کینچلی میں ہونا محض خیالی ہے۔

۶۔ مشبہ حسّی اور مشبہ بہ عقلی وہمی

مشبہ بہ کے عقلی وہمی ہونے کا
مطلب یہ ہے کہ کسی بے اصل
چیز کو عقل نے فرض کر لیا ہو اس کا کسی طرح وجود خارج میں نہ ہو
اور نہ محسوس ہو۔ جیسے ہم کسی شئے محسوس کو چڑیل کے دانتوں
سے تشبیہ دیں تو وہ شئے مشبہ حسّی ہو گی لیکن چڑیل یا چڑیل
کے دانت بالکل بے اصل چیزیں ہیں جن کو عقل نے فرض
کر لیا ہے۔

حسّی خیالی اور عقلی وہمی میں فرق یہ ہے کہ "حسّی خیالی چیز"
ایک شئے محال ہوتی ہے جو خارج میں پائی تو نہیں جاتی مگر وہ
بالکل بے اصل اور بے بنیاد چیز نہیں ہوتی بلکہ اُس کا

کوئی جزو موجود ہوتا ہے اور ہم اپنے کسی حسِ ظاہری سے اسے
معلوم کر سکتے ہیں لیکن "عقلی وہمی" ایک بے اصل اور بے بنیاد
چیز ہوتی ہے جس کے وجود کو عقل نے مشخص کر لیا ہے۔
اسی طرح 'عقلی' اور 'وہمی' کا فرق یہ ہے کہ عقلی میں
مشبہ بہ صرف حواس سے محسوس نہیں ہوتا مگر وہ بے اصل
چیز بھی نہیں ہوتی بلکہ ایک کیفیت ہوتی ہے لیکن وہمی
بے اصل شئی ہوتی ہے۔

مثالِ دیگر شعر:-

صندل اس کی ہے مانگ میں کیا خوب راہِ ظلمات میں یہ دلدل ہے

مانگ میں صندل مشبہ ہے اور راہ ظلمات کی دلدل مشبہ بہ
ظلمات ایک بے اصل چیز ہے اس مثال میں مشبہ بہ
عقلی وہمی ہے۔

مثالِ دیگر شعر:-

غمِ گیتی سے مرا سینہ لقا کی داڑھی درِ مضمون سے مرا صفحہ عمر کی زنبیل

اس میں سینہ کو تشبیہ دی ہے لقا کی داڑھی سے۔ سینہ مشبہ
ہے اور حسی۔ لقا کی داڑھی مشبہ بہ ہے اور عقلی وہمی کیونکہ
اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اسی طرح صفحہ کا غذ مشبہ
ہے اور حسی اور عمر (عمرو عیار) کی زنبیل مشبہ بہ ہے۔

عقلی وہمی۔ کیونکہ وہ بے بنیاد روایت ہے۔

مثال دیگر۔ شعر:

تری اس مانگ سے کیا معنیٔ دلخواہ پیدا ہے
شب معراج کی اس خط سے گویا راہ پیدا ہے

اس میں مانگ کی لکیر مشبہ اور حسّی محض ہے اور شب معراج کی راہ مشبہ بہ اور عقلی وہمی ہے۔ کیونکہ معراج کے لیے راہ تجویز کرنا وہم کا کام ہے اور (راہ معراج نہ معراج) ایک بے اصل شئ ہے۔

۷۔ مشبہ حسّی اور مشبہ بہ عقلی وجدانی

مشبہ بہ کے عقلی وجدانی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ شئ دلی کیفیت کا اظہار کرے۔ مثلاً بھوک پیاس مسرت وغم۔ لذت والم۔ رضا و خفگی جیسے۔ شعر:

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے باد پیمائی

اس کے دوسرے مصرعہ میں باد پیمائی مشبہ ہے اور بادہ نوشی مشبہ بہ جو عقلی وجدانی ہے کیونکہ بادہ نوشی کی لذت وجدان سے معلوم ہوتی ہے۔

ع "مئے گلگوں میں آتا ہے ہمیں یاں لطف کوثر کا"

مئے گلگوں کا مزہ مشبہ ہے اور حسّی۔ اور کوثر کا لطف مشبہ بہ ہے جو عقلی وجدانی ہے۔

اقسام طرفین تشبیہ | طرفین تشبیہ، لفظ کے لحاظ سے تین قسم کے ہوتے ہیں مفرد[۱]۔ مرکب[۲]۔ متعدد[۳]۔

چنانچہ اوپر کی مثالوں میں کہیں کہیں تو "طرفین تشبیہ" الفاظ ہیں مثلاً "زید اور شیر" چلد (چمڑا) اور ملائی و اس کو تشبیہ مفرد کہتے ہیں۔

بعض مقامات پر طرفین تشبیہ اضافت یا صفت سے مقید ہیں مگر اسے بھی مفرد ہی کہتے ہیں مثلاً "خار دشت اور خواب مخمل تار رگ سنگ اور تار حریر" ذقن یار اور چاہ یوسف " وغیرہ (بعض لوگ اسے تشبیہ مفرد مقید کہتے ہیں)

کسی جگہ طرفین تشبیہ میں سے مشبہ میں اور کسی جگہ مشبہ میں کئی چیزیں مل کر ایک ہو گئی ہیں۔ جیسے دو سانپ کا ایک کینچلی میں ہونا۔ سرو کی جڑ پر گل اور نرگس کا کھلنا پیالہ شکوفوں سے بھرا ہوا ہونا وغیرہ۔ اسے "تشبیہ مرکب" کہتے ہیں۔

اور بعض مقامات پر کئی مشبہ اور کئی مشبہ بہ ہوتے ہیں اس کو متعدد کہتے ہیں جیسے "سرو ساقد تو گل سے رخسارے" وغیرہ

اقسام تشبیہ بلحاظ طرفین | یہ سارا بیان طرفین تشبیہ کا تھا اور یہ قسمیں جو مذکور ہوئیں۔ یہ بھی طرفین تشبیہ کی تھیں مگر خود تشبیہ

بعض قسمیں طرفین تشبیہ کی تعداد کے لحاظ سے ہوتی ہیں۔ اس لیے
ہم اُن کا ذکر بھی یہیں کیئے دیتے ہیں۔

۱۔ تشبیہ جمع | مشبہ ایک ہو اور مشبہ بہ کئی۔ اس کو "تشبیہ جمع" کہتے ہیں جیسے شعر:-

مشبہ کیوں نہ ابروئے قاتل کو دیجئے — خنجر کے ساتھ تیغ کے ساتھ اور تبر کے ساتھ

یہاں ابرو مشبہ ایک ہے اور تیغ، خنجر اور تبر تین
مشبہ بہ ہیں۔

مثال دیگر: شعر:-

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں — یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا — غربت میں آ کے چمکا گمنام تھا وطن میں

اس نظم میں جگنو ایک مشبہ ہے اور شمع، دن کا سفیر اور
اس کے بعد اور بھی کئی مشبہ بہ ہیں۔

مثال دیگر: شعر:-

کیا جگہ کوچۂ محبوب ہے سبحان اللہ! — کوئی جنت کوئی کعبہ کوئی گلشن سمجھا

اس میں کوچۂ محبوب مشبہ ہے اور جنت، کعبہ اور
گلشن مشبہ بہ ہیں۔

۲۔ تشبیہ تسویہ | مشبہ کئی ہوں اور مشبہ بہ ایک۔ اس کو "تشبیہ تسویہ" کہتے ہیں جیسے شعر:-

شب فراق مرے گھر کے گھر کو آگ لگی ‎ ‎ بدن کو جان کو دل کو جگر کو آگ لگی

یہاں گھر مشبہ بہ ایک ہے اور بدن، جان۔ دل۔ جگر کئی مشبہ ہیں۔

۳۔ تشبیہ مفروق | ایک مشبہ اور مشبہ بہ کو ساتھ ساتھ ذکر کرنیکے بعد پھر دوسرا مشبہ اور مشبہ بہ ساتھ ساتھ بیان کریں پھر تیسرا مشبہ اور مشبہ بہ ساتھ ساتھ بیان کریں اسی طرح کئی مشبہ اور مشبہ بہ ساتھ ساتھ بیان کریں اُس کو "تشبیہ مفروق" کہتے ہیں جیسے

ع "شاخ آہو ہیں بھنویں، چشم ہے چشم آہو"

مثال دیگر۔ ع "سرو سا قد تو گل سے رخسارے"

مثال دیگر۔ شعر:۔

تو برق بلا، میں خرمن خار ‎ ‎ تو سیل رواں، میں خستہ دیوار

مثال دیگر۔ ع "میں نقش قدم تو باد صرصر"

۴۔ تشبیہ ملفوف | کئی مشبہ کا پہلے ذکر کریں اس کے بعد اسی ترتیب سے ان کے مشبہ بہ بیان کریں اس کو "تشبیہ ملفوف" کہتے ہیں۔ شعر:۔

ہے ہجوم داغ سوزاں اور دل مایوس ایک

ہر طرف جلوہ چراغاں کا ہے اور فانوس ایک

ہجوم داغ اور دل مایوس دو مشبہ ہیں اس کے بعد اُن کے مشبہ بہ اسی ترتیب سے بیان کئے گئے ہجوم داغ کا مشبہ بہ چراغاں ہے اور دل مایوس کا مشبہ بہ فانوس ہے۔

شعر:۔

چین گیسو سے عیاں رُخ۔ مانگ میں سلکِ گہر
یہ شبِ مہتاب ہے وہ کہکشاں بالائے سر

پہلے ایک مشبہ رُخ اور دوسرا مشبہ بہ سلک گہر کا ذکر کیا۔ اس کے بعد اسی ترتیب سے رُخ کا مشبہ بہ مہتاب اور سلک گہر کے مشبہ بہ کہکشاں کا ذکر کیا۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

دل کو میانِ خط و زلف اُو جو رکھے تو عدل ہے
ایک یہ مرغ ناتواں جس کے لیے ہیں دام دو

پہلے دو مشبہ بیان کئے گئے (۱) دل (۲) خط و زلف۔ پھر اسی ترتیب سے ان کے دو مشبہ بہ کو لائے۔ (۱) مرغ ناتواں (۲) دام دو۔ دل کو مرغ ناتواں اور خط و زلف کو دو جال کہا ہے۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

بُندہ کانوں میں نہیں، تعویذ بالوں میں نہیں وہ ستارا صبح کا ہے یہ ستارا شام کا

پہلے دو مشبہ کا ذکر کیا (۱) کان میں بُندہ (۲) بال میں تعویذ۔ اس کے بعد اسی ترتیب سے اس کے دو مشبہ بہ کو لائے۔ کان کے بُندہ کے لیے صبح کا ستارا (۲) بال کے تعویذ کے لیے شام کا ستارہ۔

وجہ و مستعملہ تشبیہات | یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم چند تشبیہیں جو عموماً مروج ہیں اور شعرا اور اُدبا ان کو استعمال کرتے ہیں لکھ دیں۔ اور طلبہ کی مزید آسانی کے لیے وجہ شبہ بھی ساتھ ساتھ درج کر دی ہیں۔

ان تشبیہوں کے لکھنے سے مقصد یہ ہے کہ (۱) آگاہی ہو (۲) ذہن و طبیعت کو وہ اصول معلوم ہوں جو قدما نے تشبیہ دینے میں ملحوظ رکھے ہیں تاکہ اگر کوئی موزوں طبع اور رسا ذہن شخص نئی تشبیہ ایجاد کرے تو ان اصولوں سے باہر نہ جانے پائے اور اس کی تشبیہ غلط راستہ پر ہونے کی وجہ سے بے لطف، سست اور بے محل نہ ہونے پاوے [فائق اکبر آبادی نے اپنی مخزن الفوائد میں ان کو یکجا کر دیا ہے کچھ ہم نے اضافہ کی ہیں]

قد اور قامت۔ کو سرو سہی، شمشاد اور صنوبر سے راستی اور حسن میں [سرو رواں۔ سرو خراماں۔ سرو ناز کی تشبیہ میں محبوب کی رفتار بھی ملحوظ رکھتے ہیں] کبھی برکت اور عظمت میں طوبیٰ۔ شاخ طوبیٰ سے۔ کبھی

تازگی وخوشنمائی میں شاخ گل۔ نخل۔ نہال۔ بوٹے سے۔
کبھی عقلی اشیاء قیامت۔ فتنہ۔ اور آفت سے باعث
خرابی ہوتے ہیں۔

زلف و کاکل[۲] کو شام۔ شب۔ شب یلدا۔ شب دیجور۔ ابر سیاہ
سے سیاہی ہیں۔ ریحان، مشک، عنبر سے
خوشبو ہیں۔ زنجیر۔ دام۔ کمند سے پیچیدہ اور حلقہ دار ہوتے ہیں
سنبل اور بنفشہ سے درازی وپیچیدگی ہیں۔ عمر۔ رشتہ۔
رسن طناب تازیانہ سے درازی ہیں۔ چلیپا سے گوندھنے سے
صلیب کی شکل بن جاتے ہیں۔ مار سیاہ۔ اژدر۔ افعی کالا سے
سیاہی اور چھوٹے ہوئے ہوتے ہیں عقرب۔ ہندو۔ کافر
سے باعث بربادی عشاق ہوتے ہیں۔ خطا، ختن، تاتار
چین سے سرچشمہ خوشبو ہوتے ہیں۔ لام، میم، چوگان سے
شکل و وضع میں کبھی عقلی اشیا، مثلاً ظلمات سے سیاہ
اور تاریک ہوتے ہیں۔

مانگ[۳] کو خط کہکشاں سے افشاں کے قطار دار ذروں کی
وجہ سے۔ کبھی عقلی اشیا، مثلاً راہ ظلمات سے۔
کالے بالوں میں راستہ ہونے کی وجہ سے خط استوا سے
لکیر کی راستی میں۔ راہ شب معراج سے عظمت میں

خط سحر، تیغ سے چمک اور صفائی ہیں۔

چہرہ[۴] کو ماہ۔ آفتاب۔ شمع۔ چراغ۔ شعلہ۔ مشعل۔ صبح۔ روز سے چمک سرخی صفائی کے مراتب کے لحاظ سے گلستان، گل سے نزاکت، نرمی، اور خوشنمائی ہیں۔ مصحف۔ کعبہ۔ وادی ایمن سے عظمت اور تقدس ہیں آئینہ اور حلب سے صفائی و مرکز آئینہ سازی ہیں۔

کبھی عقلی اشیاء مثلاً شعلۂ طور۔ شمع طور۔ چراغ طور سے چمک اور تقدس ہیں۔ بہشت، جنت، فردوس سے خوشنمائی تقدس اور عظمت ہیں۔ ایمان سے باعث روشنی ہوتے ہیں۔

جبین[۵] کو لوح سے وسعت اور ہمواری ہیں۔ لوح محفوظ سے تقدس ہیں۔ صبح تجلی سے چمک ہیں۔ آئینہ سے صفائی ہیں۔ ماہ۔ زہرہ۔ مشتری۔ سہیل صبح خورشید سے چمک اور حسن ہیں۔

چین پیشانی[۶] کو تیغ سے باعث بربادی عشاق ہوتے ہیں۔ رگ گل سے حسن ہیں موج سے اُبھار ہیں۔

خال[۷] کو ہندو سے باعث بربادی عشاق ہوتے ہیں۔ مشک دانہ مردمک۔ پتلی۔ حجر اسود۔ سویدائے قلب۔ دانہ باروت سے مقدار وسیاہی ہیں۔ تخم سپند، سپند سے مقدار ہیں۔

حبشی زادہ، زنگی بچے سے سیاہی میں۔

ابرو[8] کو طاق، محراب، ہلال، کمان، قوس، قزح سے خم میں ذوالفقار، شمشیر۔ خنجر سے خم اور زخم لگانے میں۔ نون سے شکل میں موج سے اُبھار میں۔ آتش رخسار کے دھوئیں سے سیاہی میں۔

چشم محبوب[9] کو غزال۔ آہو۔ بادام۔ نرگس سے مستطیل گولائی میں (خاص وضع کی گولائی) ترک۔ ہندو۔ کافر، سامری۔ ساحر۔ فسوں ساز سے کبھی سیاہ دل ہونے اور کبھی باعث بربادی ہونے میں۔ جام، ساغر، کٹورہ، پیالہ، عین۔ صاد سے گولائی میں۔ بیمار، نرگس بیمار، نرگس شہلا سے نیم وا ہونے میں۔

چشم عاشق[10] کو دریا۔ ابر سے بہت آنسو برسانے میں۔ حباب سے کم عمری میں۔

مژگان[11] کو خنجر، سنان، نیزہ، تیر، خار، سوزن سے لمبائی میں۔ نیش، نیشتر۔ پیکان۔ خدنگ سے زخم کرنے میں۔

چنگل[12] شاہیں۔ پنجہ سے ظاہری شکل میں۔

غمزہ[13] کو دشنہ۔ خنجر سے باعث بربادی عشاق میں۔

گردن[14] کو صراحی سے بلندی درازی اور موزونی میں۔ ہاتھی دانت اور سپیدہ صبح سے صفائی میں۔ گردن آہو سے رعنائی میں۔

لب[14] کو غنچہ سے نیم وا ہونے ہیں ۔ برگ گل ۔ رگ گل سے نزاکت ہیں ۔ لعل ۔ عقیق ۔ یاقوت ۔ مرجان ۔ آتش خاموش ۔ شفق ۔ انگر سے سرخی ہیں ۔ آب حیات ، مسیحا سے جان بخشی ہیں شہد ، شکر ، قند ، نبات سے شیرینی ہیں ۔ شراب سے کیفیت ہیں ۔ موج کوثر ، موج تسنیم سے عظمت اور تقدس ہیں ۔ ہلال سے خم ہیں ۔ پستہ و عناب سے سرخی و نیلگونی کے معتدل اختلاط ہیں ۔

خط[15] کو سبزہ ، زمرد ۔ خضر ۔ پرطاؤس سے مفروضہ سبزی ہیں بنفشہ ریحان سے خوشنمائی اور روئیدگی ہیں ۔ زنگ مورچہ سے بالوں کے چھوٹے چھوٹے ہونے ہیں ۔ حبش ، عنبر ۔ جدول مشکیں ۔ جدول زنگاری ۔ مشک سے سیاہی ہیں ۔ ہالہ سے رخسارہ کے گرد اگرد ہونے ہیں ۔

دہن[16] کو غنچہ ۔ صدف سے نیم وا ہونے ہیں ۔ انگشتر ۔ قطرہ ۔ میم ۔ حقۂ مروارید ۔ حقہ مرجان ۔ حقہ یاقوت سے گول ہونے ہیں تنگ شکر ۔ کوزہ نبات سے شیریں کلامی کا مرکز ہونے ہیں ۔ پستہ سے نیلگونی ہیں ۔ نقطۂ موہوم ۔ صفر ۔ عدم ۔ عنقا سے (شعرا کے فرضی خیال) منہ نہ رکھنے ہیں ۔

زبان[17] کو جادو سے تاثیر ہیں ۔ موج کوثر و تسنیم سے برکت و تقدس ہیں ۔

ذقن[18] کو چشمۂ حیوان سے جان بخشی میں - چاہ یوسف سے حسن میں۔ چاہ بابل سے تاثیر میں۔

دندان[19] کو گوہر - الماس - انار دانہ - انجم - سلک گہر سے تعداد - رنگ مقدار - صفائی میں - ژالے سے ٹھنڈک اور مقدار میں۔

تبسم[20] کو برق سے دفعتہً چمک میں - غنچۂ شگفتہ سے نیم وا ہونے میں - تیغ سے تاثیر میں - گل سے خوشنمائی میں۔

انگشت حنائی[21] کو فندق - قطرۂ خوں سے رنگ میں - گل - غنچہ، گل اورنگ سے خوشنمائی اور رنگ میں۔

پنجۂ حنائی[22] کو آفتاب سے چمک میں - پنجہ مرجان اور پنجہ گل سے رنگ میں۔

شکم[23] کو قاقم، حریر، دیبا - مخمل - تختۂ صندل، ملائی سے نرمی میں - آئینہ سے صفائی میں - چشمۂ کافور سے رنگ میں۔

کمر[24] کو بال، رشتہ باریک - تار - رگ گل سے باریکی اور پتلی ہونے میں - نقطۂ موہوم - عدم اور عنقا سے مفروضہ معدومی میں۔

دل معشوق[25] کو سنگ و آہن سے سختی میں - شیشہ سے نزاکت میں۔

دل عاشق[26] کو کعبہ سے خدا کا گھر ہونے میں - ساغر - شیشہ سے شراب عشق کا ظرف ہونے میں - جام جم۔

جہاں نما سے مخفی احوال کے دریافت ہوتے ہیں۔ آئینہ سے صفائی ہیں۔ صحرا سے ویرانی ہیں۔ خزانہ سے مجموعۂ غم ہوتے ہیں۔

خرام[۲۷] کو بہار سے خوشنمائی ہیں۔ نسیم سحر۔ باد صبا اور شمیم گل سے حرکت اور خوشبو پھیلاتے ہیں۔ برق سے تیزی اور کم ٹھہرتے ہیں۔ محشر، قیامت، فتنہ، آفت سحر سے تاثیر ہیں۔

شراب[۲۸] کو آب حیات، روح سے جاں بخشی ہیں اور عزیز ہوتے ہیں۔ آتش۔ آتش سیال۔ آتش بے دود سے سرخی اور تیزی ہیں پری سے خوشنمائی ہیں۔

نگاہ[۲۹] کو قضا سے باعث بربادی ہوتے ہیں۔ مست سے حالت ہیں تیر، تیغ، زہر ہلاہل، بلا سے تاثیر ہیں۔ دزد سے افعال ہیں۔

قہر و غضب[۳۰] کو آتش۔ شعلہ۔ باد سموم سے تاثیر اور عمل ہیں۔ تیغ اور برق سے تیزی اور حرکت ہیں۔ باد خزاں سے باعث بربادی ہوتے ہیں۔

آہ[۳۱] کو تیر سے تاثیر ہیں۔ سیخ۔ نیزہ سے درازی ہیں۔ دوزخ۔ آتش وغیرہ سے گرمی ہیں۔

علم عقل ایمان[۳۲] کو نور سے سبب رہنمائی ہوتے ہیں۔ چراغ۔ شمع، آفتاب وغیرہ سے روشنی ہیں۔

خلق و عادت[۳۳] کو عطر، شمیم گل۔ مشک کافور وغیرہ سے پھیلنے میں۔ باد بہار اور نسیم سحر سے خوشگواری میں۔

لطف و سخا[۳۴] کو ابر، دریا، باران رحمت، بہتا پانی سے عموم فیض اور کثرت میں۔ چشمۂ کوثر آب حیات وغیرہ سے جان بخشی اور عظمت میں۔

طبیعت و زبان[۳۵] کو ابر، بحر، دریا سے روانی میں۔ آتش سے تیزی میں۔ گنج و معدن سے مجموعۂ فیض و فضل ہونے میں۔

زندگی[۳۶] کو شہد سے ہر دلعزیزی میں۔ رشتہ۔ رسّی سے درازی میں۔ حباب سے بے ثباتی میں۔

عمر[۳۷] کو کارواں سے روانی اور باسامان ہونے میں۔ بوئے گل، اسپ، رخش، سمند وغیرہ سے رفتار میں۔

موت[۳۸] کو شہباز، گرگ۔ شیر وغیرہ سے ایذا رسانی میں اور جاں کشی میں۔ باد خزاں سے بیکار کر دینے میں۔ زہر ہلاہل وغیرہ سے ناگواری میں۔

داغ و صدمۂ دل[۳۹] کو گل۔ تختۂ گل سے خوشنمائی میں۔ شمع۔ چاند۔ آفتاب سے تابش اور چمک میں۔ سرو چراغاں سے کثرت میں۔

۲۔ وجہ شبہ

شجرہ وجہ شبہ

- واحد
  - حسی
  - عقلی
- مرکب
  - حسی
  - عقلی
- متعدد
  - حسی
  - عقلی
  - مختلف

وجہ شبہ اس امر یا وصف کو کہتے ہیں جو طرفین تشبیہ میں مشترک بیان کیا گیا ہو اور جس کی وجہ سے دونوں کو یکساں کہا گیا ہو۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) **واحد**۔ کبھی تو طرفین تشبیہ میں کوئی ایک امر مشترک بتایا جاتا ہے جیسے زید شیر ہے بہادری میں۔ یہاں صرف بہادری وجہ شبہ ہے اس کو "وجہ شبہ واحد" کہتے ہیں۔

۲۔ **مرکب**۔ کبھی طرفین تشبیہ میں ایک ایسی چیز یا ہئیت مشترک کہی جاتی ہے۔ جو کئی چیزوں سے مل کر ایک شئی معلوم ہوتی ہے۔

ہوا پہ دوڑتا ہے اسطرح سے ابر سیاہ   کہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر

ابر سیاہ کا ہوا پر دوڑنا مشبہ اور فیل مست کا بے زنجیر ہو جانا مشبہ بہ ہے اور وجہ شبہ بڑی اور کالی چیز کا نہایت تیزی

سے جھومتے ہوئے چلنا۔ اور یہ تینوں چیزیں مل کر ایک ہو گئی ہیں۔

۳۔متعدد۔ کبھی طرفین تشبیہ میں کئی چیزیں مشترک ہوتی ہیں اور ہر ایک چیز مستقل ہوتی ہے جیسے بالوں میں جالی کے ہونے کو دو سانپوں کے ایک ہی کینچلی میں ہونے کی طرح کہیں یہاں (۱) بالوں اور سانپوں کا سیاہ ہونا (۲) بالوں کی دو لٹیں اور دو سانپ ہونا (۳) جالی کا مثل کینچلی کے ہونا (۴) بالوں کا جالی کے ساتھ اور سانپوں کا کینچلی کے ساتھ ہونا یہ چاروں چیزیں وجوہ شبہ ہیں اس کو "وجہ شبہ متعدد" کہتے ہیں۔

لیکن جس طرح طرفین تشبیہ یا تو حسّی ہوں گے (اور خیالی بھی اسی میں شامل ہے) یا عقلی ہوں گے (اور وہمی اور وجدانی بھی اسی میں شامل ہیں) اسی طرح وجہ شبہ بھی حسّی ہوگی یا عقلی۔ کیونکہ وجہ شبہ دراصل طرفین تشبیہ ہی سے سمجھ میں آتی ہے۔ لہٰذا واحد مرکب اور متعدد کے اقسام کے ساتھ اس کی کئی صورتیں پیدا ہوتی ہیں ہم یہاں سب کو الگ الگ لکھتے ہیں۔

(۱) وجہ شبہ واحد حسّی (۲) وجہ شبہ واحد عقلی
(۳) وجہ شبہ مرکب حسّی (۴) وجہ شبہ مرکب عقلی
(۵) وجہ شبہ متعدد حسّی (۶) وجہ شبہ متعدد عقلی

(۷) وجہ شبہ متعدد بعض حسّی بعض عقلی۔

پہلی چھ قسمیں تو قاعدے سے بنتی ہیں اس لیے کہ وجہ شبہ کی واحد مرکب اور متعدد تینوں قسمیں یا تو حسّی ہوں گی یا عقلی لہٰذا چھ قسمیں ہوئیں لیکن جب وجہ شبہ متعدد ہوں گی تو ہو سکتا ہے کہ بعض وجہیں حسّی ہوں اور بعض عقلی۔

یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھو کہ جب وجہ شبہ حسّی ہو گی تو پھر وہ چاہے واحد ہو خواہ مرکب یا متعدد۔ ہر حال میں طرفین تشبیہ حسّی ہی ہوں گے کیونکہ وجہ شبہ دراصل طرفین تشبیہ ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر وجہ شبہ عقلی ہو گی تو طرفین تشبیہ ممکن ہے کہ عقلی ہوں اور ممکن ہے کہ حسّی ہوں۔

اقسام وجہ شبہ | ۱۔ **واحد حسّی**۔ مشبہ اور مشبہ بہ میں ایک امر مشترک بتایا جاوے اور وہ امر یا وصف حسّی ہو جیسے یوں کہیں "اس کے رخسار سرخی میں گلاب کی طرح ہیں" اس میں سرخی وجہ شبہ حسّی ہے جو حس باصرہ سے متعلق ہے اسی طرح ہر حس کے متعلق وجہ شبہ ہو سکتی ہے۔ جیسے اسی مثال میں وجہ شبہ نرمی کو قرار دیں۔ نرمی بھی حسّی ہے اور حس لامسہ سے متعلق ہے یا کہیں "فلاں شخص کی آواز بلبل کے چہچے کی طرح ہے" اس میں خوش آوازی وجہ شبہ ہے جو حس سامعہ سے متعلق ہے۔ زلف اور مشک کی

تشبیہ میں خوشبو وجہ شبہ ہے۔ جو حس شامہ سے متعلق ہے۔ لب اور قند کی تشبیہ میں شیرینی وجہ شبہ ہے جو حس ذائقہ سے متعلق ہے۔

۲۔ واحد عقلی۔ اس میں بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(الف) طرفین تشبیہ حسی ہوں جیسے کہیں "وہ بہادر آدمی شیر کی طرح ہے" بہادری وجہ شبہ ہے جو واحد عقلی ہے۔

مثال دیگر۔ شعر:-

"دیکھا نہیں ہے جسکو کسی دن سے روئے پاک   بلبل کی طرح باغ میں ہیں بیقرار گل"

گل مشبہ ہے بلبل مشبہ بہ ہے دونوں حسی ہیں بیقراری وجہ شبہ ہے جو واحد عقلی ہے۔

(ب) طرفین تشبیہ عقلی ہوں جیسے علم کو زندگی کہیں اس میں علم اور زندگی دونوں عقلی ہیں۔ باخبری وجہ شبہ ہے جو واحد عقلی ہے۔ یا جہالت کو موت کہیں اس میں بے خبری وجہ شبہ ہے جو واحد عقلی ہے۔

مثال دیگر۔ شعر:-

"جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی"   "ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی؟"

اس مثال میں نگاہ کو جادو، سحر اور بلا سے تشبیہ دی ہے نگاہ مشبہ ہے اور عقلی۔ اور جادو۔ سحر اور بلا مشبہ بہ ہیں۔

اور عقلی۔ وجہ شبہ تاثیر ہے وہ بھی واحد عقلی ہے۔

(ج) مشبہ حسی ہو اور مشبہ بہ عقلی جیسے کہیں کہ "اس کی باتیں آب حیات ہیں" اس میں بات مشبہ ہے اور حسی۔ آب حیات مشبہ بہ ہے اور عقلی۔ اور وجہ شبہ تاثیر اور جان بخشی ہے جو واحد ہے اور عقلی یا محبوب کو جان کہیں۔ محبوب مشبہ ہے اور حسی۔ جان مشبہ بہ ہے اور عقلی دونوں میں وجہ شبہ پیارا ہونا ہے جو واحد عقلی ہے۔

(د) مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی جیسے کہیں "علم نور ہے" اس میں دفع تاریکی کو یا ہدایت کو وجہ شبہ مانیں علم مشبہ عقلی ہے اور نور مشبہ بہ حسی ہے اور دفع تاریکی جو وجہ شبہ ہے وہ وجہ شبہ عقلی ہے۔ یا خُلق کو عطر سے تشبیہ دیں تو فرحت طبع وجہ شبہ ہو گی جو عقلی ہے اور خُلق مشبہ عقلی ہے اور عطر مشبہ بہ حسی۔

۳۔ مرکب حسی۔ اس میں طرفین تشبیہ کے مفرد و مرکب یا مختلف ہونے کے اعتبار سے چار صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

(الف) طرفین تشبیہ مفرد ہوں جیسے کہیں "مرغے کی آنکھ چنگاری کی طرح ہے۔" اس میں آنکھ مفرد ہے اور مشبہ۔ چنگاری بھی مفرد ہے اور مشبہ بہ دونوں حسی بھی ہیں اور وجہ شبہ بھی مرکب حسی ہے جو حسب ذیل امور سے مل کر ایک ہئیت ہو گئی ہے (۱) گولائی (۲) سرخی (۳) چھوٹا اور تھوڑا ہونا۔

مثال دیگر "شاخ آہو ہیں بھنویں، چشم ہے چشمِ آہو"
اس میں بھنوؤں کو ہرنوں کے سینگ کی طرح کہا ہے۔
اور آنکھ کو ہرنوں کی آنکھوں کی طرح۔ طرفین تشبیہ مفرد ہی ہیں
اور حسّی بھی ہیں [اضافت کا لحاظ نہیں لہٰذا اسے مضاف ہونے پر
بھی مفرد ہی کہیں گے] مگر وجہ شبہ مرکب حسّی ہے یعنی
(۱) سینگ اور بھنوؤں کی موزوں لمبائی (۲) دونوں کا آڑا ترچھا
ہونا (۳) ایک جانب ذرا موٹا اور دوسری جانب باریک ہونا مگر یہ
سب امور مل کر ایک ہئیت میں وجہ شبہ ہوئے ہیں۔

مثال دیگر = ع

"گولی ہی ڈھالتا ہے سحاب تگرگ بار"

اس میں ابر سے اولے گرنے کو گولیاں ڈھالنا کہا ہے۔ اولے
مشبہ اور گولی مشبہ بہ۔ دونوں حسّی بھی ہیں۔ اور مفرد بھی۔ مگر
وجہ شبہ کئی امور کا مل کر ایک ہئیت ہو جاتا ہے وہ امور یہ ہیں۔
(۱) اولے اور گولی کا گول ہونا (۲) دونوں کا یکساں بڑا ہونا
(۳) دونوں کا برسنا۔

مثال دیگر = ع

"خورشید مثلِ آئینہ ہے کفِ رعشہ دار میں"

وجہ شبہ گولائی۔ صفائی اور چمک۔ مسلسل روشنی ! و

روشنی کا ہلنا وغیرہ مل کر ایک ہو جاتا ہے۔

(ب) طرفین تشبیہ مرکب ہوں۔ جیسے شعر:-

رقص میں وہ مہروش ہے اس طرح سے جلوہ گر

جیسے آب موجزن میں عکس ہو خورشید کا

اس میں محبوب مہروش کا رقص مشبہ حسی ہے اور مرکب۔ اور آب موجزن میں عکس خورشید مشبہ بہ حسی ہے اور وہ بھی مرکب۔ اور وجہ شبہ ذیل کے کئی امور کا مل کر ایک ہیئت ہو جانا ہے (۱) آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا (۲) ہاتھ اٹھانا اور پھیلانا (۳) سمٹ کر یکجا ہونا اور پھیلنا۔ اسی قسم کی حرکت ہلتے پانی میں دھوپ کی بھی معلوم ہوتی ہیں۔

مثال دیگر: شعر:-

"ہوا پہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابر سیاہ — کہ جیسے جائے کوئی فیل مست لے زنجیر"

اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

مثال دیگر: شعر:-

"دیوانہ ترا سوکھ کے کانٹا ہوا ہے کیا — سرتن پہ یوں ہے آبلہ جیسے ہو خار پر"

اس میں جسم پر سر کا ہونا مشبہ مرکب حسی ہے اور کانٹے پر پیروں کے آبلہ کا جا پڑنا مشبہ بہ مرکب حسی ہے اور وجوہ شبہ کئی امور ہیں جو مل کر ایک ہیئت میں ہو گئے ہیں (۱) جسم کا کانٹے کی طرح دبلا پتلا ہونا (۲) دبلے جسم پر سر کا بدنما معلوم ہونا جیسے کانٹوں پر

پیروں کا آبلہ جا پڑے (۳) آبلہ کا ستارے کی طرح گول اور موٹا پھولا ہوا ہونا۔

مثال دیگر، شعر:-

"لوگ کہنے لگے کندن پہ چڑھا ہے مینا
وہ خط سے یہ خوش رنگ ترا گال ہوا"

اس میں گالوں کو کندن سے اور چہرے کے بالوں کو (جس کو شعرا سبزہ مانتے ہیں) میناکاری کے کام سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ تمام چیزیں حسی ہیں وجہ شبہ حسب ذیل امور ہیں جو باہم مل کر ایک ہو گئے ہیں (۱) گالوں کا کندن کی طرح چمکنا (۲) بالوں کا میناکاری سے مشابہ ہونا۔ آڑی ترچھی لکیریں ہوتی ہیں (۳) چہرے پہ بال کا نکلنا جیسے میناکاری کی گئی ہو (۴) چہرہ پر بال نکلنا خوشنما معلوم ہوتا ہے جیسے میناکاری خوشنما معلوم ہوتی ہے۔

(ج) مشبہ مفرد اور مشبہ بہ مرکب۔ جیسے

دل کا یہ حال ہے غم میں ترے اے مست ناز
جیسے مرجھایا ہوا دانہ کوئی انگور کا

اس میں دل مشبہ مفرد حسی ہے اور انگور کا مرجھایا ہوا دانہ مشبہ بہ مرکب حسی ہے۔ اور وجہ شبہ حسب ذیل امور سے مل کر بنی ہے۔ (۱) دل کا انگور کے دانے کی طرح گول اور گاودم ہونا (۲) دل کا انگور کے دانے کے برابر بڑا ہونا (۳) دل کی افسردگی مرجھانے

انگور کی طرح۔

مثال دیگر، شعر:۔

پیل ترا گل سوسن کا بڑا اک انبار   گل مہتاب کے گلدستہ ہیں اس کے دندان

اس میں پیل مشبہ مفرد حسّی ہے اور گل سوسن کا بڑا ڈھیر مشبہ بہ مرکب حسّی ہے اور وجہ شبہ بھی مرکب حسّی ہے جو حسب ذیل امور سے مل کر بنی ہے (۱) ہاتھی اور گل سوسن کا رنگ (۲) ہاتھی کی جسامت اور پھولوں کا ڈھیر۔ اسی طرح دوسری تشبیہ دانت مشبہ مفرد حسّی ہے اور چاندنی کے پھول کا گلدستہ مشبہ بہ مرکب حسّی ہے اور وجہ شبہ بھی مرکب حسّی ہے (۱) دانت کا سفید ہونا جیسے چاندنی کا پھول (۲) ہاتھی کے دونوں دانتوں کا مثل گل مہتاب کے دو گلدستوں کا ہونا (۳) دونوں چیزوں کی خوشنمائی۔

مثال دیگر، شعر:۔

"سفید قرص قمر دیکھ شب خیال آیا   تنور چرخ میں یارب یہ کیوں ہے نان سفید

اس میں قرص قمر (چاند) مشبہ مفرد حسّی ہے اور تنور چرخ کی سفید روٹی مشبہ بہ مرکب حسّی ہے۔ اور وجہ شبہ بھی مرکب حسّی ہے جو مندرجہ ذیل امور کے باہم مل جانے اور ایک ذات ہو جانے سے حاصل ہوئی ہے (۱) چاند اور روٹی کی گولائی (۲) دونوں کی سفیدی (۳) دونوں کا یکساں برابر ہونا۔

مثال دیگر۔ شعر۔

آج کل ہے گل لالہ پہ کچھ اس طرح بہار

سبز نیزوں پہ ہوں جس طرح پھریرے خوش رنگ

گل لالہ مشبہ مفرد حسّی۔ سبز نیزوں پہ خوش رنگ پھریرے مشبہ بہ مرکب حسّی۔ وجہ شبہ مرکب حسّی جو حسب ذیل امور سے بنی ہے (۱) گل لالہ کا تنہ پر ہونا اور نیزوں پر پھریرا ہونا (۲) گل لالہ کے ڈنٹھل اور نیزے کا سبز ہونا (۳) گل کی خوشنمائی اور پھریروں کی خوشرنگی۔

مثال دیگر۔ شعر۔

ابرو بھی اِک نمونہ ہے اس کے کمال کا

کھینچا ہے آفتاب پہ نقشہ ھلال کا

وجہ شبہ مرکب حسّی ہے (۱) چہرہ اور آفتاب کی چمک (۲) ابرو اور ہلال کی خمیدگی۔

(د) مشبہ مرکب اور مشبہ بہ مفرد۔ جیسے۔

"رُخِ گلرنگ پہ ساقی کے عرق کا قطرہ　　کیا تماشا ہے کہ بن جائے ہے مونگا گوہر"

اس میں سرخ چہرہ پر پسینہ مشبہ مرکب حسّی ہے اور مونگا مشبہ بہ مفرد حسّی ہے اور وجہ شبہ بھی مرکب حسّی ہے۔ (۱) سرخ چہرہ پر پسینہ کی بوند کا سرخی جھلکنے کی وجہ سے مونگے کی طرح ہونا (۲) پسینہ کی بوند کا مقدار میں مونگے کے دانہ کے برابر ہونا (۳) پسینہ کی

بوندا ور مونگے کے دانہ کا گول ہونا (۴) سُرخ چہرہ کے سُرخ پسینہ کا مونگے کے سُرخ دانہ کی طرح خوشنما ہونا۔

مثال دیگر:۔

"ہے سیہ ابر میں اسطرح سے بگلوں کی قطار　　انجم کاہکشاں کی ہو لڑی جیسے بہم"

یہاں کالے بادل میں بگلوں کا قطار سے اُڑنا مشبہ مرکب حسّی ہے اور انجم کاہکشاں کی لڑی مشبہ بہ مفرد حسّی ہے [یاد رہے اضافت کی وجہ سے اس کو مرکب نہیں کہیں گے جیسا اوپر معلوم ہو چکا ہے] اور وجہ شبہ بھی مرکب حسّی ہے یعنی (۱) بگلوں کا ستاروں کی طرح سفید ہونا۔ (۲) ستاروں کی قطار کی طرح بگلوں کا بھی قطار میں ہونا۔

مثال دیگر شعر:۔

شورِ بُلبل بھی یہ رکھتا ہے نمک آج کہ گل　　بن گیا کثرتِ شبنم سے نمکداں کی مثال

اس میں پھولوں پر کثرت سے شبنم کے قطروں کا پڑا ہونا مشبہ مرکب حسّی ہے اور نمکدان مشبہ بہ مفرد حسّی ہے اور وجہ شبہ مرکب حسّی ہے یعنی (۱) شبنم کا اور نمک کا ہم رنگ ہونا (۲) بُلبل کے نالوں کی شوریت (نمکینی) سے شبنم کے قطروں کا اور نمک کا ہم ذائقہ ہوجانا (۳) شبنم کا پھولوں پر ہونا جیسے نمک کا نمکداں میں ہونا۔

مثال دیگر شعر:۔

برنگِ خانۂ زنبور ہوا اے ناوک انداز!　　ترے تیروں کے میرے دل میں گھر نزدیک نزدیک

اس میں تیروں کے گھر کا نزدیک ہونا مشبہ مرکب حسّی ہے اور خانۂ زنبور مشبہ بہ حسّی مفرد ہے وجہِ شبہ مرکب حسّی ہے جو ظاہر ہے۔

مثالِ دیگر: شعر:-

یہ ہمسری کا تیرے منہ کی ہے خیال رکھے — عبث ہی شمع نے سر پہ ہوئیں ہیں بال رکھے

اس میں شمع مشبہ مرکب حسّی ہے اور شمع کے سر پر بال کا ہونا مشبہ بہ مفرد حسّی ہے۔

۴۔ مرکب عقلی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وجہِ شبہ ایک مجموعی حالت ہو جو طرفین تشبیہ میں مشترک ہو اور گو اس میں بظاہر کئی امور ہوں گے [اور یہ بھی لازمی ہے کہ ان کے تمام مشترک امور کو خواہ وہ حسّی ہوں یا عقلی طرفین تشبیہ میں ثابت کر دکھانا چاہیئے] مگر وہ سب امور الگ الگ ملحوظ نہ ہوں گے بلکہ سب کو ملا کر ایک ہئیت مجموعی مراد ہوگی اس کا دوسرا نام "تشبیہ تمثیل یا ضرب المثل" ہے۔ اس میں بھی طرفین تشبیہ کے عقلی یا حسّی یا مختلف ہونے کے لحاظ سے چار صورتیں نکلتی ہیں۔

(الف) طرفین تشبیہ حسّی۔ جیسے: شعر:-

اے مہر سچ مثل ہے جو عالم ہے بے عمل — گویا وہ ایک گدھا ہے کتب سے لدا ہوا

اس میں عالم کا بے عمل ہونا مشبہ عقلی۔ اور گدھے کا کتابوں سے لدا ہوا ہونا مشبہ بہ عقلی ہے اور وجہِ شبہ۔ دونوں میں یہ امور مشترک

ہیں کہ (۱) نافع چیز کا پاس رکھنا (۲) نافع اور مفید چیز کی وجہ سے تکلیف اُٹھانا (۳) تکلیف اُٹھانے کے باوجود اس سے فائدہ نہ اُٹھانا۔ یہ سب امور عقلی ہیں جو مل کر ایک ہو گئے ہیں۔

(ب) طرفین تشبیہ عقلی۔ جیسے شعر:۔

مطلب ہے اپنے کون ہے آگاہ بجز خدا جوں خطِ سرنوشت ہیں پیشانیوں میں ہم

اس میں ہم سے مراد اپنا مطلب ہے جو مشبہ عقلی ہے اور خطِ سرنوشت مشبہ بہ عقلی ہے اور وجہ شبہ بھی مرکب عقلی ہے یعنی یہ کہ (۱) پوشیدہ رہنا۔ (۲) موجود ہونے کے باوجود کسی کا اس سے واقف نہ ہو سکنا۔

مثال دیگر:۔ شعر:۔

"اُس زمانہ میں تو ہی یکتا ہے جیسے کثرت میں ایک وحدت ہے"

خدا مشبہ عقلی۔ وحدت مشبہ بہ عقلی:۔ وجہ شبہ (۱) خدا اور وحدت کا ایک ہونا (۲) خدا کا زمانہ میں اور ایک کا تمام اعداد میں شامل ہونا۔

(ج) مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی۔ جیسے

جھکا لیے قدم سرخروس بیجاں کا زمیں پہ تاج گرا ہدہدِ سلیماں کا

یہاں مرغے کا سر جھکنا مشبہ حسی ہے اور ہدہد سلیماں کا تاج گرنا مشبہ بہ عقلی ہے۔ اور وجہ شبہ مرکب عقلی یہ ہے کہ (۱) مرغا اور ہدہد کا کیس رکھنا (۲) کیس کا عزت کی چیز ہونا (۳) دونوں کا ذلیل ہونا۔

مثال دیگر:۔ شعر:۔

"لڑکر رقیب یار کے گھر سے نکل گیا   مریخ آج برج قمر سے نکل گیا"

یہاں رقیب مشبہ حسی ہے اور مریخ مشبہ بہ عقلی۔ اور وجہ شبہ مرکب عقلی یہ ہے کہ (۱) رقیب اور مریخ کا بُرا اور منحوس سمجھا جانا۔ (۲) ایسی بُری چیز کا یار اور قمر جیسی اچھی چیز سے دور ہو جانا۔

(د) مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسّی۔ جیسے ۔ شعر:۔

"مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مُرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے"

یہاں کوشش مشبہ عقلی ہے اور مرغ اسیر مشبہ بہ حسی۔ اور کوشش کا مفید نہ ہونا وجہ شبہ مرکب عقلی ہے۔

۵۔ متعدد حسّی۔ وجہ شبہ کے متعدد ہونے کے معنی یہ ہیں کہ طرفین تشبیہ میں کئی امور علیحدہ علیحدہ مشترک بتائے گئے ہوں چنانچہ حسّی وجوہ شبہ کی مثال جیسے ع

"سرو سا قد تو گل سے رخسارے"

یہاں وجوہ شبہ علیحدہ علیحدہ یہ ہیں (۱) سرو سیدھا ہوتا ہے اسی طرح قد محبوب (۲) سرو بلند ہوتا ہے اسی طرح محبوب بھی بلند قامت ہے (۳) سرو خوشنما ہوتا ہے اسی طرح قد محبوب بھی۔ دوسری تشبیہ میں (۱) گل نرم ہوتا ہے اسی طرح رخسار محبوب بھی۔ (۲) پھول سُرخ ہوتا ہے اسی طرح رخسار بھی۔

مثال دیگر: ع

"قطرۂ اشک جو نکلا سو وہ گوہر نکلا"

یہاں قطرہ مشبہ اور گوہر مشبہ بہ ہے دونوں حسّی ہیں اور وجہ شبہ گولائی۔ چمک۔ یکساں برابر ہوتا ہے۔

مثال دیگر: شعر:۔

جمالِ یار پہ ہم نے یہ ٹکٹکی باندھی   کہ اپنی آنکھ کا تل اس کے رخ کا خال ہوا

یہاں آنکھ کا تل مشبہ حسّی اور چہرہ کا تل مشبہ بہ حسّی ہے اور وجہ شبہ سیاہی۔ خوشنمائی۔ گولائی۔ اور یکساں برابری ہے۔

مثال دیگر: نثر:۔

"اس کی زلف گویا کالی رات ہے"

یہاں زلف مشبہ حسّی۔ رات مشبہ بہ حسّی ہے۔ وجہ شبہ درازی اور سیاہی ہے۔

۲۔ متعدد عقلی۔ جیسے شعر:۔

"بسان دانہ روئیدہ ایک بار گرہ   کھلی جو کام سے میرے پڑی ہزار گرہ"

شاعر کہتا ہے کہ میری حالت اُگنے والے دانہ کی سی ہے جس طرح ایک دانہ زمین میں پڑ کر پھٹتا ہے اور اس کی گرہ کھلتی ہے پھر اس میں سے ہزاروں دانے نکلتے گویا ہزاروں گرہیں پڑ گئی ہیں اسی طرح میرا حال بھی ہے کہ میرا مطلب پورا نہیں ہونے پاتا۔ ایک مشکل دور ہوتی

ہے تو اور مشکلات پیش آ جاتی ہیں ۔ یہاں میرا کام مشبہ عقلی اور دانۂ روئیدہ مشبہ بہ حسی ہے ۔ عقلی وجوہ شبہ یہ ہیں (۱) اپنے مطلب اور دانہ کا گرہ دار اور بند ہونا (۲) پہلے کچھ کھلنے کی امید ہونا ۔
(۳) پھر اس میں زیادہ دشواریوں کا پیش آنا ۔

مثال دیگر ۔ شعر :-

"جوں چنار اس جا نہ پھولے ہیں نہ پھل لاتے ہیں ہم
جب مراد اپنی کو پہونچے ہیں تو جل جاتے ہیں ہم"

یہاں چنار مشبہ بہ حسی ہے اور ہم مشبہ حسی وجوہ شبہ عقلی یہ امور ہیں (۱) پھولنا پھلنا چنار کے لیے ویسا ہی ہے جیسے عزت ہمارے لیے (۲) چنار پھولتا پھلتا نہیں ویسے ہی ہم بھی عزت نہیں پاتے (۳) چنار کا درخت جب پرانا ہو جاتا ہے تو آپ سے آپ جلنے لگتا ہے اسی طرح جب ہم بھی مقصد کے قریب پہونچتے ہیں تو ایسا نقصان اٹھاتے ہیں جس کی تلافی ممکن نہیں ۔

مثال دیگر ۔ شعر :-

دل میں ہے "مثل ہیزم و آتش" جو گھٹائے اسے بڑھاویں ہم

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ آیندہ سے ہم بھی لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کے لیے اپنا دستور العمل وہی بنائیں جو آگ کا لکڑی کے ساتھ ہے ۔ لکڑی کو آگ جلاتی ہے ۔

مگر لکڑی ہے کہ آگ کو بڑھاتی۔ اور اونچا ہی کرتی رہتی ہے
یہاں ہیزم و آتش کا فعل مشبہ بہ حسّی ہے اور ہمارا ارادہ مشبہ عقلی
اور وجوہ شبہ عقلی یہ امور ہیں (۱) پہلے تو دوسرے کے ہاتھوں
تکلیف پانا (۲) باوجود تکلیف پانے کے دوسرے کو بلندی پر پہونچانا
اور عزت دینا۔

۷۔ **متعدد مختلف** ۔ یعنی کئی وجوہ شبہ میں سے بعض عقلی
وجوہ شبہ ہوں اور بعض حسّی جیسے = شعر :-

"ابرو عقرب ہیں تو ہیں آپ کے اژدر گیسو ڈر کے مارے نہیں چھوتے ہیں فسونگر گیسو"

ابرو اور عقرب کی تشبیہ میں باریکی۔ کجی۔ ایذا رسانی وجوہ شبہ
علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اور اژدر گیسو کی تشبیہ میں سیاہی۔ درازی۔
پیچ و تاب ایذا رسانی وجوہ شبہ ہیں جن میں ایذا رسانی عقلی ہے
باقی وجوہ حسّی ہیں۔

مثال دیگر = ع "کہ ہر نقش پا جس کا ہے آفتاب"
نقش پا اور آفتاب کی تشبیہ میں وجوہ شبہ دو ہیں (۱) خوبصورتی
اور خوشنمائی اور یہ حسّی ہے (۲) عزت اور شان اور یہ عقلی ہے۔

مثال دیگر = ع "نکلی وہ گھر سے کہ نکلا خورشید"
کسی عورت کو خورشید کہا ہے اس میں وجوہ شبہ دو ہیں (۱)
حسن اور یہ حسّی ہے (۲) عزت اور شان اور یہ عقلی ہے۔

فائدہ :- کبھی دو ضد چیزوں کا بیان کرتے ہیں اور ان دونوں میں جو وجہ ضد کی ہوتی ہے اُس کو بھی طنز و تمسخر کی بنا پر وجہ شبہ مانتے ہیں۔ جیسے "حبشی کو کافور سے تشبیہ دیں یا نامرد کو شیر کہیں اور بخیل کو حاتم بتائیں" ان مثالوں میں بالترتیب وجوہ ضد یہ ہیں۔ سفیدی۔ جرأت۔ بخشش انہیں کو بطور تمسخر وجہ شبہ سمجھ لیا گیا ہے۔

وجہ شبہ کا بیان اور اس کی قسمیں ختم ہوگئیں مگر تشبیہ کی بعض قسمیں اسی وجہ شبہ کے لحاظ سے ہوتی ہیں۔ اس لیے ہم ان کا ذکر بھی یہیں کیے دیتے ہیں۔

ا۔ مفصّل

اگر وجہ شبہ بیان کر دی گئی ہے اور لفظوں میں موجود ہے تو اُسے "تشبیہ مفصّل" کہتے ہیں جیسے ہم کہیں "زید سخاوت میں حاتم کی طرح ہے" یہاں سخاوت وجہ شبہ ہے جو لفظوں میں مذکور ہے۔ یہ صورت بہت عام ہے۔ زیادہ مثالوں کی حاجت نہیں ہے۔ بعض وقت ایک وجہ شبہ مذکور ہوتی ہے مگر دراصل وہ وجہ شبہ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے مناسبت رکھنے والی کوئی دوسری چیز وجہ شبہ ہوتی ہے۔

مثلاً ع "تلخ سخن مانند ہلاہل"

یہاں بات کو زہر کہا ہے اور تلخی وجہ شبہ مذکور ہے۔ مگر

دراصل وجہ شبہ ناگواری ہے جو مذکورہ وجہ شبہ کو لازم ہے۔
مثال دیگر: ع

"جو بات ہے بس اس میں مزہ ہے نبات کا"

بات کو نبات (مصری) کہا ہے وجہ شبہ ذائقہ مذکور ہے۔ مگر اصل وجہ خوشگواری ہے۔

۲۔ مجمل اگر وجہ شبہ مذکور نہ ہو تو اسے "تشبیہ مجمل" کہتے ہیں اس کی چھ صورتیں ہیں۔

(ا) وجہ شبہ مذکور نہ ہو مگر ہر شخص آسانی سے اسے سمجھ سکتا ہو مثلاً "زید مثل شیر کے ہے" ظاہر ہے کہ وجہ شبہ شجاعت و جرأت ہے۔

مثال دیگر: "ننھے ہاتھ کہاں نہال گل تھے"
ظاہر ہے کہ ہاتھ کو پھول کا پودا کہنے میں اس کی خوشنمائی وجہ شبہ ہے۔

(ب) وجہ شبہ ایسی باریک اور نازک ہو کہ ہر شخص اسے نہ سمجھ سکے بلکہ خاص خاص ہی لوگ اس کو دریافت کر سکیں جیسے شعر:

"مجھ کو روتا دیکھ کر وہ ہنس دیا برق چمکی ابر باراں تھم رہا"

یہاں ہنسنے کو بجلی چمکنے سے تشبیہ دی اور وجہ شبہ شوخی سے دفعۃً ہنسنا اور سفیدی اور چمک ہے۔

مثال دیگر :- شعر :-

لب پہ ساغر کے ہے جوں موج تبسم موج مے ۔ شورِ قلقل لب پہ ہے مینائے مے کے قہقہہ

موجِ مے کو تبسم سے اور شورِ قلقل کو قہقہہ سے تشبیہ دینے میں وجہ شبہ بجز خاص لوگوں کے ہر شخص نہیں معلوم کر سکتا۔

(ج) وجہ شبہ تو مذکور نہ ہو مگر صرف مشبہ کا کوئی ایسا وصف مذکور ہو جس سے وجہ شبہ کی طرف اشارہ ہوتا ہو۔ جیسے

ع "تھی پُشت خمیدہ یا کماں تھی"

اس میں پشت خمیدہ مشبہ ہے اور کماں مشبہ بہ۔ وجہ شبہ اگرچہ لفظوں میں نہیں مگر پشت کی صفت جو خمیدہ کہہ دی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وجہ شبہ جھکا ہوا ہونا ہے۔

مثال دیگر :- شعر :-

"کبھی مرجاں کبھی یاقوت کبھی لعل لکھا ۔ چوری کرتا ہوں میں اے دستِ حنائی تیری"

یہاں دست مشبہ ہے اور حنائی اس کی صفت اور مرجان یاقوت لعل مشبہ بہ ہیں۔ وجہ شبہ اگرچہ مذکور نہیں ہے مگر حنائی سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ شبہ سرخی ہے۔

مثال دیگر :- شعر :-

"خورشید ہے روئے روشن یار ۔ یاں بخت سیہ ہے شب کے مانند"

چہرہ کو روشن کہنے سے معلوم ہوا کہ خورشید سے تشبیہ دینے میں

وجہ شبہ روشنی اور چمک ہے۔ اسی طرح بخت کو سیاہ کہنے سے معلوم ہوا کہ اس کو رات کہنے میں وجہ شبہ سیاہی اور تاریکی ہے۔

(د) وجہ شبہ مذکور نہ ہو مگر صرف مشبہ بہ کا ایسا کوئی وصف ذکر کیا جاوے جس سے وجہ شبہ کی طرف اشارہ ہو۔ جیسے

مصرع "جوں چہرۂ یار گل ہے خنداں"

گل کو خنداں کہہ دینے سے اشارہ ہو گیا کہ چہرہ میں اور پھول میں وجہ اشتراک شگفتگی ہے۔

مثال دیگر:۔ شعر:۔

مار سیاہ زلف سے اے دل پناہ مانگ
یہ سانپ تجھکو ڈس کے نہ جائے کہیں اُلٹ

زلف کو سانپ سے تشبیہ دی ہے اور سانپ کے دو وصف، سیاہ ہونا اور ڈس کے اُلٹ جانا بیان کیے گئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں وجہ شبہ سیاہی اور ایذا رسانی ہے؛

مثال دیگر:۔ شعر:۔

"کسی دن اس طرف یارب ہو رُخ ابروئے جاناں کا
کہ ہم بھی دیکھ لیں جوہر کہیں اس تیغ بڑاں کا

ابرو کو تیغ سے تشبیہ دی، گو وجہ شبہ مذکور نہیں ہے مگر تیغ کو بڑاں کہنے سے معلوم ہو گیا کہ وجہ شبہ کاٹ اور تیزی ہے۔

(ط) وجہ شبہ نہ ہو لیکن دونوں طرف تشبیہ کے اوصاف

مذکور ہوں جن سے وجہ شبہ کی طرف اشارہ ہو جیسے شعر :-

دل سودا زدہ میرا نہ چھوٹیگا نہ چھوٹیگا ہر اک حلقہ ہے کالا ہیلنا نہ زلف شبگوں کا

زلف شبگوں مشبہ کالا ہیلنا نہ مشبہ بہ ہے اور شبگوں اور کالا سے اشارہ ہوتا ہے کہ وجہ شبہ سیاہی اور تاریکی ہے۔

شعر دیگر :-

سچ کہا ہے آگے کالے کے نہیں جلتا چراغ
چھپ گیا مہ۔ رُخ پہ تیرے زلف شبگوں دیکھکر

زلف شبگوں مشبہ اور کالا (کالا سانپ) مشبہ بہ شبگوں اور کالا سے اشارہ ہے کہ وجہ شبہ سیاہی ہے۔

(۵) وجہ شبہ مذکور نہ ہو اور طرفین تشبیہ میں سے کسی کے اوصاف بھی مذکور نہ ہوں جن سے وجہ شبہ کی طرف اشارہ ہو سکے جیسے ہم کہیں "زید شیر ہے" مگر بہادری سمجھ میں آجاتی ہے۔

شعر دیگر :-

"افعی کہو ناگن کہو اژدر نہ بناؤ اتنا نہ بڑھاؤ سخن مختصر زلف"

زلف مشبہ اور افعی، ناگن، اژدر مشبہ بہ ہیں۔ اب نہ وجہ شبہ مذکور ہے نہ طرفین تشبیہ میں سے کسی کا وصف۔ مگر ذہن میں ایذا رسانی آجاتی ہے۔

شعر دیگر :-

ہلال ابروئے قاتل نے معرکہ مارا نیام شب میں نہاں تیغ آفتاب ہوئی

اس میں تین مشبہ ہیں۔ ابرو۔ شب۔ آفتاب اور اُن کے تین مشبہ بہ بھی مذکور ہیں یعنی ہلال۔ نیام۔ تیغ مگر نہ وجہ شبہ مذکور ہے نہ طرفین تشبیہ میں سے کسی کا وصف کہ وجہ شبہ معلوم ہوسکے۔

۳۔ قریب وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ جلد سمجھ میں آجاوے اُس کو "مبتذل" بھی کہتے ہیں اس کے جلد سمجھ میں آنے کے کئی سبب ہوتے ہیں:۔

(الف) وجہ شبہ واحد ہو جیسے ہم کہیں "اس کا چہرہ آفتاب ہے" وجہ شبہ روشنی ہے یا لب کو لعل کہیں سرخی میں یا گفتگو کو قند کہیں خوشگواری میں۔

(ب) طرفین تشبیہ میں قریبی مناسبت ہو اور ایک کے بیان سے دوسری چیز فوراً سمجھ میں آجائے جیسے "آسمان کو چھت کہیں" یا لباس کو خلعت کہیں۔ مثال دیگر۔ ع:۔

"ہر سنگ وہاں کا بے ستوں تھا"

یہاں سنگ مشبہ ہے اور بے ستوں پہاڑ مشبہ بہ ہے۔

(ج) مشبہ بہ ایسی عام چیز ہے جو اکثر ذہن میں آتی رہتی ہے جیسے زلف کو سانپ کہیں یا چشم کو نرگس یا زلف کو سنبل یا رخسار کو گلاب کہیں۔ شعر:۔

ذقن، چاہ وصفِ مژگاں، وہ خونخوار وہ کاکل، اژدہا زلفِ سیہ، مار
اس میں ٹھوڑی کو کنواں، پلکوں کو خونخوار، کاکلوں کو اژدہا اور
زلف سیاہ کو سانپ کہا ہے اور یہ تمام مشبہ بہ بالکل عام چیزیں ہیں۔

۴۔ بعید وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ ذرا غور وفکر کے بعد معلوم ہو اس کو "غریب" بھی کہتے ہیں اس کے بھی کئی اسباب ہوتے ہیں۔

(الف) وجہ شبہ کئی ہوں جیسے شعر:-

تشبیہ رگ گل سے انھیں دو لگا ہے نیا ڈورے ہیں تری آنکھ کے اے سرو چمن سرخ
یہاں آنکھوں کے ڈوروں کو رگ گل سے تشبیہ دینا "غریب"
ہے وجہ شبہ تین ہیں۔ سرخی۔ خوشنمائی۔ باریکی۔

شعر دیگر:-

بل نہ نکلا تری زلفوں کا صنم شانے سے واقعی زور نہیں پنجۂ شل میں ہوتا
کنگھی مشبہ ہے اور پنجہ مشبہ بہ۔ وجہ تشبیہ یہ ہیں (۱) کنگھی کے
دندانوں کا مثل پنجہ کے ہونا (۲) بے حس و حرکت ہونا۔

(ب) وجہ شبہ مرکب ہو جیسے شعر:-

ذقن یار میں کی خط نے رسائی پیدا چاہ یوسف میں خضر بہر تماشا کو دا
یہاں ٹھوڑی پر بال نکلنے کو تشبیہ دی ہے چاہ یوسف میں
خضر کے کودنے سے۔ ٹھوڑی کو چاہ یوسف کہا بال کو خضر کہا۔

اور بال کو خضر کہنا تشبیہ غریب ہے۔

مثال دیگر:- ع " خور مثل آئینہ ہے کفِ رعشہ دار میں "

رعشہ والے کے ہاتھ میں حرکت ہوتی ہے۔ اگر وہ آئینہ لیے ہو تو آئینہ ہلتا رہے گا۔ یہی حال سورج کا بیان کرنا چاہتا ہے اور یہ بات ہر شخص جلد نہیں سمجھ سکتا۔

(ج) مشبہ کو مشبہ بہ سے دور کی نسبت ہو جیسے ہم کہیں کہ " یہ دہکتے ہوئے کوئلے گویا مشک کا دریا ہیں۔ جس کی لہریں سنہری ہیں " ظاہر ہے کہ کوئلہ کو مشک سے بہت دور کی مناسبت ہے۔

(د) مشبہ بہ خیالی اور وہمی ہونے کی وجہ سے ذہنوں میں کم گذرتا ہو جیسے شعر:-

نہیں گیسوئے عنبریں اُن کے دودِ بختِ سیاہِ عاشق ہیں

مثال دیگر:- شعر:-

ہوئے سرپاؤں پہ اے رشکِ صنوبر یہ نہیں

سرو کی چوٹی سے نکلا ہے نہالِ کاکل

پہلی مثال میں گیسو کو قسمت کے دھوئیں سے تشبیہ دی جو محض خیالی ہے۔ دوسری مثال میں کاکل کے درخت کا سرو کی چوٹی سے نکلنا خیالی چیز ہے اور یہ تشبیہ جلد سمجھ میں نہیں آتی۔

فائدہ:- تشبیہ قریب کو مبتذل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس

ہیں وجہ شبہ ترکیب نہیں رکھتی اور جلد سمجھ میں آجاتی ہے اور ذہن کو ہمیشہ لطف اور لذت اس چیز سے ملتی ہے جس کے سمجھنے میں ذرا غور و فکر سے کام لینا پڑے اور جو چیز ذرا مشکل سے حاصل ہو۔

اور تشبیہ بعید میں چونکہ وجہ شبہ مرکب ہوتی ہے یا طرفین تشبیہ میں دور کا علاقہ ہوتا ہے۔ اور ذہن اس کے دریافت میں کوشش کرتا ہے اس لیے اس کو غریب کہتے ہیں اور ان دونوں میں تشبیہ بعید ہی کو بہتر مانا گیا ہے۔

لیکن اگر شاعر کا ذہن رسا اور طبیعت و مذاق سلیم ہو تو تشبیہ قریب اور مبتذل ذرا سے تصرف سے غریب اور نادر بن سکتی ہے۔ اس میں کوئی قید یا وصف بڑھا دیا جائے۔ مثلاً زلف کو سانپ کہنا مبتذل ہے لیکن اگر مار دوسر کہیں تو یہ تشبیہ غریب ہو جائے گی۔

شعر دیگر:۔

مصحف رخسار پر رکھتی قدم ہے بار بار
زلف کافر کو عبث سر پر چڑھایا آپ نے

گالوں کو قرآن کہنا معمولی بات تھی مگر اس کے ضد کافر کے ذکر کر دینے سے اس میں ندرت آگئی۔ شعر:۔

دیتے ہیں قد یار کو کیوں سرو سے تشبیہ
بے ثمر ہے۔ اس میں ہے سیب ذقن کا پھل

سرو اور قد یار کی تشبیہ پامال تھی مگر قد میں سیب ثابت

کرنے سے اس میں لطافت پیدا ہو گیا۔ شعر:۔

مشک ختن زلف کو میں نے کہا
مجھ سے یہ اک کارِ خطا ہو گیا

زلف کو مشک کہنا فرسودہ تشبیہ تھی مگر ختن اور خطا کے ذکر سے اس میں غرابت آگئی ہے۔

شعر دیگر:۔

ہندو کے زلف کی صحبت ہے آنکھیں آٹھ پہر نہیں معلوم کہ کیسے ہیں مسلمان عارض

زلف کو ہندو کہنا پیش پا افتادہ سی بات تھی مگر ہندو کے ساتھ مسلمان کا ذکر ندرت کا سبب ہو گیا۔

شعر دیگر:۔

شانو پہ اس پری کے پریشان جو زلف ہے
انداز اڑا لئے ہیں دلِ خانہ بدوش کے

زلف کو پریشان اور کندھوں پر لٹکا ہوا کہنا سامنے کا مضمون تھا مگر خانہ بدوش کے لفظ نے اس میں حسن پیدا کر دیا۔

کبھی تشبیہ مبتذل کو کسی شرط سے مقید کر کے یا مشبہ میں ترقی اور اضافہ دکھا کر اس کو غریب بناتے ہیں اس کو "تشبیہ مشروط" کہتے ہیں جیسے

شعر:۔ تو تو میری جان ہے لیکن کیا بھروسا جان کا
تو تو میری زندگی ہے پر زندگی کی کیا امید

اس میں محبوب کو جان کہا ہے مگر یہ مبتذل تشبیہ تھی۔ اس کے بعد کے ٹکڑے "لیکن کیا بھروسا جان کا" نے اس میں لطف پیدا کر دیا۔ اسی طرح محبوب کو زندگی سے تشبیہ دی مگر ایک نکتہ پیدا کر کے اس کو نادر کر دیا۔

شعر:-
مشک میں خوشبو ہے پیچ و تاب مثل مو نہیں
پیچ ہیں سنبل میں مثل مو مگر خوشبو نہیں

یہاں بالوں کو پہلے مشک کہا مگر پیچ و تاب کا اضافہ بالوں میں دکھا کر اس کو نادر بنا دیا۔ پھر بالوں کو سنبل کہا مگر خوشبو کا اضافہ کر کے اس کو غریب کر دیا۔

شعر دیگر:-
برگ گل کی طرح ہیں لب اس کے　　اس میں اعجاز کا اثر ہو اگر

یا:-
اس کی آنکھیں ہیں صورت نرگس　　اس میں بینائی کا گزر ہو اگر

یہاں پھول سے لب کو تشبیہ دی مگر اعجاز کا اضافہ لب میں دکھا کر حسن پیدا کر دیا اور آنکھوں کو نرگس کہا لیکن آنکھوں میں بینائی کا اضافہ بتا کر اس کو نادر کر دیا۔

۳۔ حرفِ تشبیہ

مشبہ اور مشبہ بہ کو جس چیز کے ذریعہ سے یکساں بناتے ہیں اُس کو حرفِ تشبیہ یا اداۃ تشبیہ کہتے ہیں وہ بیشتر تو حروف ہوتے ہیں اور کمتر فعل۔

اُردو حروفِ تشبیہ۔ سا۔ ایسا۔ جیسا واحد کے لیے۔ سے۔ ایسے۔ جیسے جمع کے لیے۔ سی۔ ایسی۔ جیسی مونث کے لیے۔ اس کے علاوہ جوں اور طرح بھی الفاظ تشبیہ ہیں۔

فارسی اور عربی حروف تشبیہ۔ مثل، مثیل، مثال، تمثال، شکل، بہ شکل، عدیل، نظیر، صفت، صورت، ساں، آسا، مشابہ، رنگ، بہ رنگ، وار، گویا، روش، وش، ویش، بسان، نمط، مانند، مانا، رشک، ہمسر،

مثالیہ اشعار

مثل :-

دل میں ہے مثلِ ہیزم و آتش جو بڑھائے اُسے گھٹائیں ہم

عدیل و مثیل :-

مرے جد امجد شہنشاہ چپسٹر
عدیلِ فریدوں، مثیلِ سکندر

مثال :-

آمثال آئینہ تو ہم سے ہو جا سینہ صاف   دور کر دل سے کدورت ہے صفائی میں مزا

وش، تمثال :-

وہ برق وش اور حور تمثال   اژدر سی زلف، حور سے گال

شکل :-

بے حقیقت ہے شکل موجِ سراب   جام جمشید و راح ریحانی

طرح :-

مسافر کی طرح رہ خانہ بر دوش   نہیں جائے اقامت دار فانی

مانند :- ع "فرعون کی مانند ہوا غرق حیا ظلم"

جیسا :- ع "تجھ جیسا نہ کوئی بے وفا ہو"

نمط :- ع "یعقوب نمط جاتے تھے یوسف کی طلب کو"

وار :- ع "اب بھی گریہ سے مجھے فرصت نہیں فوارہ وار"

نظیر :- ع "ہر ایک دشت چمن ہر چمن بہشت نظیر"

صورت :-
تجھ سے قسمت میں مری صورت قفل ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

آسا :-
حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرہ کو دریا کی جدائی کا

روش :- ع "روش خندہ گل سب کا نتیجہ ہے الم"

بسان - بشکل :-

بسان بند مرے بند بند جکڑے ہیں وفور درد یہاں تک کہ ہوں بشکل سطح

رنگ :- ع "حسرت سے گل کے رنگ گریباں دریدہ ہوں"

مشابہ :- ع "مشابہ زلف سے بال ہما ہے"

سان :- ع "سر شمع سان کٹائیے پر دم نہ ماریے"

رشک :-

یہ کس رشک مسیحا کا مکاں ہے :: زمیں جس کی چہارم آسماں ہے ::

مانا :- ع "یاسمن رنگ جو رکھتی ہے سمن سے مانا"

کہ :-

جب ستارہ طلوع ہو دم دار
دُم ہو ایسی کہ چھوٹتا ہے اتار

گویا :-

حقہ جو ہے حضور معلّی کے ہاتھ میں گویا کہ کہکشاں ہے ثریا کے ہاتھ میں

ہمسر :- ع "کوئی کہتا ہے جو مژگاں ہے وہ ناوک سے ہمسر ہے"

ہم چشم :- ع "کوئی کہتا ہے چشم سُرمگیں ہم چشم عنبر ہے"

برنگ :- ع "باغ ہے ایک برنگ رُخ گلگوں شاداب"

صفت :- ع "دل ہے سیماب صفت آنکھیں ہیں دریا صورت"

حروف تشبیہ کے مفصل ذکر کے بعد اب تشبیہ کی ان قسموں کو بھی سُن لو جو حروف تشبیہ کے اعتبار سے پیدا ہوتی ہیں۔

۱۔ مرسل :۔ اگر حرف تشبیہ مذکور ہے تو اُسے "مرسل یا صریح" کہتے ہیں جیسے ۔ شعر :۔

خدا نے اس کو دیا ایک خوبرو فرزند　ستارہ جیسے چمکتا ہوا بہ پہلوئے ماہ

۲۔ موکد :۔ اگر حرف تشبیہ مذکور نہیں ہے تو اُسے "موکد" کہتے ہیں۔ مذکور نہ ہونے کی دو صورتیں ہوا کرتی ہیں۔

(الف) حرف تشبیہ محذوف ہو جیسے

ع " قطرۂ اشک جو نکلا سو وہ گوہر نکلا "

یعنی قطرۂ اشک مثل گوہر کے تھا حرف تشبیہ محذوف ہے۔

(ب) مشبہ کی طرف مشبہ بہ مضاف ہو (اور یہ صورت بہت عام ہے) جیسے سیب ذقن ۔ چاہ ذقن ۔ ہندوئے چشم ۔

شعر :۔
ہوا سے بال اڑ کر آ گئے ہیں جو اس کے چہرہ پر
غزال چشم شوخی کر رہے ہیں جین گیسو میں

یہاں چشم کو غزال سے اور گیسو کو شکن چین سے تشبیہ دی ہے ۔ اور مشبہ بہ کو مشبہ کی طرف مضاف کیا ہے اس صورت میں حرف تشبیہ کے لانے کی ضرورت نہیں رہ گئی ۔

۴۔ غرضِ تشبیہ

غرضِ تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ دو جُداگانہ چیزوں کو یکساں ثابت کرنے کا سبب اور باعث کیا ہے؟ غرضِ تشبیہ کا تعلق بیشتر مشبہ سے ہوتا ہے اور کبھی مشبہ بہ سے۔ زیادہ تر اس کو مشبہ سے اس لیے تعلق ہوتا ہے کہ اسی کے حالات کو نمایاں اور ممتاز کرنے کے لیے اس کو مشبہ بہ کے مثل ظاہر کرتے ہیں۔

ہم بھی پہلے مشبہ سے تعلق رکھنے والی غرضِ تشبیہ کا مفصّل ذکر کرتے ہیں۔ تشبیہ دینے میں بالعموم مشبہ سے متعلق حسبِ ذیل سات اغراضِ تشبیہ ہوا کرتی ہیں:۔

۱۔ مشبہ کے وجود کا امکان۔

۲۔ مشبہ کا کسی خاص وصف سے متصف ہونے کا اظہار

۳۔ مشبہ کی حالت یا وصف کی کمی یا زیادتی کی مقدار کا اظہار۔ اس میں مشبہ اور مشبہ بہ برابر ہونے چاہئیں۔

۴۔ مشبہ کو شہرت دینے کے لیے مشبہ بہ کی مثال دیکر بیان کرنا۔

۵۔ مشبہ کو لوگوں کی نگاہوں میں اچھا ظاہر کرنا۔

۶۔ مشبہ کو لوگوں کی نظروں میں بُرا ثابت کرنا۔

۷۔ مشبہ بہ نادر اور عجیب ہو تو مشبہ کو بھی ویسا ہی طرفہ

اور نادر دکھایا جائے۔

ان صورتوں میں تیسری اور چوتھی غرض نسبتۃً زیادہ اور پانچویں اور ساتویں ان سے کم مستعمل اور مروج ہیں۔ ان صورتوں کی تفصیل یہ ہے:۔

پہلی تین صورتوں میں مشبہ بہ کا مشہور ہونا اور مشبہ میں صرف ایک امر کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ چوتھی میں مشبہ بہ کا زیادہ مشہور ہونا اور مشبہ کو بھی شہرت دینا لازم ہے۔ پچھلی تین صورتوں میں مشبہ بہ کا مشہور ہونا ضروری نہیں۔

ا۔ یہ بیان کیا جاوے کہ مشبہ کا وجود ممکن بھی ہے اور یہ صورت وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں مشبہ کا محال اور ناممکن ہونا بھی کہا جا سکتا ہو جیسے۔ شعر:۔

"سب کو دیکھا اس سے اور اس کو نہ دیکھا جوں نگاہ
وہ رہا آنکھوں میں پر آنکھوں سے پنہاں ہی رہا"

یہاں محبوب کو نگاہ سے تشبیہ دینے کی غرض یہ ہے کہ جس چیز کے ذریعہ سے سب کو دیکھا۔ خود ایسے محبوب کو نہ دیکھنا بھی ممکن ہے۔ حالانکہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی صورت تو محال ہے کہ خود اسی کو نہ دیکھیں اور دوسری سب چیزوں کو اس کی وجہ سے دیکھ لیں۔ نگاہ کی تشبیہ نے اس کی تائید کر دی کہ روشنی آنکھ میں رہتی ہے۔

اسی کی وجہ سے دوسروں کو دیکھتے ہیں مگر خود وہ روشنی نہیں نظر آتی۔

شعر دیگر:۔

جوں شمع جمع ہوں اگر اہل سخن ہزار	آپس میں چاہیے کہ کبھو گفتگو نہ ہو

یہاں اہل سخن (شعرا) کو شمع سے تشبیہ دیتے ہیں ان کو تشبیہ کرنے کے لیے غرض تشبیہ یہ رکھی ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں ہونا اور پھر بھی باہم حجت۔ چشمک۔ لڑائی نہ کرنا بھی ممکن ہے گو بظاہر ناممکن صورت معلوم ہوتی ہے مگر شمع کی تشبیہ اس کو ثابت کرتی ہے کہ ہزاروں شمعیں کسی محفل میں رہتی ہیں پھر بھی آپس میں حجت، تکرار نہیں کرتیں۔ یہی شعرا کو بھی چاہیئے۔

شعر دیگر:۔

علم ہے کچھ اور شئی اور آدمیت اور شئی	کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

یہاں علم کے مفید نہ ہونے کو طوطے کے پڑھنے سے تشبیہ دیتے ہیں غرض یہ ہے کہ ایسا ممکن ہے کہ کسی میں علم بھی ہو لیکن آدمیت نہ ہو حالانکہ بظاہر یہ صورت محال اور ممتنع معلوم ہوتی ہے کہ علم کے بعد بھی آدمیت حاصل نہ ہو۔ طوطے کے پڑھنے کی تشبیہ نے اس کی تائید کر دی۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

برنگ شمع ہم دل سوختوں نے بزم عالم میں
زباں کھولی۔ نہ لیکن بات کرنے کا محل پایا

ب۔ اپنے اور شمع کی تشبیہ میں غرض تشبیہ اس امر کا اظہار ہے
کہ ایسا ممکن ہے کہ کسی کی زبان ہو اور بول نہ سکے گو ظاہراً یہ محال
معلوم ہوتا ہے لیکن شمع کی مثال اس کی تائید کرتی ہے۔

۲۔ یہ ظاہر کیا جاوے کہ مشبہ فلاں وصف سے متصف ہے
یہ صورت وہاں ہوتی ہے جہاں بولنے والا فرض کرلے کہ سننے والے
کو مشبہ میں وہ وصف ہونا معلوم نہیں جیسے :شعر :۔

"حلب رخ میں ترے خالوں سے لشکر زنگ رہا کرتا ہے"

یہاں خال (تل) کو لشکر زنگی سے تشبیہ دی ہے مقصود صرف
اس امر کا اظہار ہے کہ تل سیاہ ہے۔

شعر دیگر :۔

"رکھتا ہے پُر غرور کو جوں نیزہ سربلند جوں جادہ خاکسار کو دیے ہے زمیں پہ ڈال"

پُر غرور کو نیزہ سے اور خاکسار کو جادہ سے تشبیہ دینے میں غرض
یہ ہے کہ مشبہ اور پُر غرور سربلندی سے اور خاکسار۔ خاکساری سے
متصف ہے۔

شعر دیگر :۔

لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیس جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

جوانی میں بالوں کی سیاہی کو مشک سے اور بڑھاپے میں سفیدی کو کافور سے تشبیہ دینے میں غرض بس اتنی ہے کہ جوانی میں بال سیاہ ہوتے ہیں اور بڑھاپے میں سفید۔

شعر دیگر:۔

اک شب کہ وہ زلف مہ رخاں تھی یا آتش مہر کا دُخاں تھی

رات کو زلف مہ رخاں یا دُخاں سے تشبیہ دینے میں غرض صرف اس قدر ہے کہ رات کالی تھی۔

۳۔ مشبہ کے حال و وصف کی کمی یا زیادتی کا اظہار کیا جاوے یہ صورت وہاں ہو گی جہاں سننے والا مشبہ کے اوصاف کی زیادتی و کمی اور قوت و ضعف کو نہ جانتا ہو لہذا یہاں ضروری ہے کہ مشبہ کا حال مشبہ بہ کے حال کے برابر مشہور ہو جیسے:

ع "کہاں ہے وہ خونِ کبوتر سی مے"

شراب کو خونِ کبوتر کہا ہے اور مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ شراب میں بھی ویسی ہی سُرخی (ڈہڈہی سُرخی) ہوتی ہے جیسی خونِ کبوتر میں ہوتی ہے۔

مثال دیگر:۔

"تیری کمر کو بال سے تشبیہ تام ہے اس میں نہیں ہے فرق سر مو کسی طرح"

یہاں کمر کو بال کہتے ہیں یہ غرض ہے کہ کمر کی باریکی بال کی

باریکی کے برابر ہے۔

مثال دیگر:۔

"جوں ابر بنایت اشکباری ۔ جوں رعد لبشارت آہ وزاری"

آنسو بہانے کو ابر کے برسنے سے اور آہ و واویلا کرنے کو گرج کی آواز سے تشبیہ دینے میں غرض صرف اتنی ہے کہ آنسو کی مقدار مینہ کے برابر ہے اور آہ کی آواز کی سختی اور اس کا زور گرج کے برابر ہے۔

مثال دیگر:۔

"عذار یار یہ زلفِ سیاہ قائم نہیں ۔ مگر یہ حشر کا دن ہے کہ جس کی شام نہیں"

یہاں رخسار کو دن سے تشبیہ دیکر صرف یہ غرض ملحوظ ہے کہ وہ روشن ہے اور روشنی کی مقدار دن کے برابر ہے۔

۴۔ مشبہ کو کسی مثال سے خوب ذہن نشین کیا جائے۔ اس صورت میں مشبہ بہ زیادہ شہرت یافتہ اور کامل چیز ہونی چاہیئے۔ جسے سب جانتے ہوں جیسے بیفائدہ کوشش کو پانی پر نقش بنانا کہیں۔

شعر دیگر:۔

رو رو کے تصور میں سوچا کئے تدبیریں
کھینچا کیے پانی پر اُمید کی تصویریں

یہاں اُمید پوری نہ ہونے کو پانی پر تصویر کھینچنا کہا ہے۔ مقصود اور غرض یہ ہے کہ پانی پر نقش کھینچنا غیر مفید ہے سب

کو معلوم ہے وہی مثال ہے ہماری کوششوں کے بیکار ہونے کی۔

شعر دیگر:۔

کتابوں میں دھر اکیا ہے بہت لکھ لکھ کے دھو ڈالیں
ہمارے دل میں ہے نقشِ حجر یہ تیرا فرمانا

حکم مان لینے اور ہمیشہ یاد رکھنے کی مثال پتھر کی لکیر سے دی ہے اور غرض یہ ہے کہ ہم آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح پتھر کی لکیر اَمِٹ ہے۔ اسی طرح آپ کا حکم بھی ہمارے دل سے نہ مٹے گا۔

شعر دیگر:۔

"ہوں وہ ثابت رہ اُلفت میں کہ جوں نقشِ قدم
جب تلک مٹ نہیں لیتا نہیں اصلا ہٹتا"

ثابت قدمی اور ایک ارادہ پر جمے رہنے کو نقشِ قدم کہہ کر یہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ ہمارا ارادہ بھی ویسا ہی ثابت قدم ہوگا۔

شعر دیگر:۔

"مئے عشرت طلب کرتے تھے ناحق آسماں سے ہم
کہ آخر جب اُسے دیکھا فقط خالی سبو نکلا"

خالی سبو سے آسمان کی تمثیل دے کر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ آسمان بھی مئے عشرت سے خالی ہے۔

۵۔ مشبہ کو لوگوں کی نگاہوں میں اچھا ظاہر کیا جائے
جیسے "لب کی تشبیہ یاقوت سے" اور دانتوں کی موتیوں سے۔

"داغ چیچک کے نہیں اے گل رعنا منہ پر
شعر:۔ غنچے جوہی کے ہوئے ہیں یہ شگفتہ منہ پر"

یہاں چیچک کے داغوں کو جوہی کی کلیاں کہنے سے غرض یہ ہے
کہ چیچک کے داغوں کے باوجود بھی مشبہ کو اچھا ثابت کیا جائے۔

شعر دیگر:۔

"تن پہ کیا اسلحۂ جنگ نے پایا ہے فروغ
خود ہے مشعلۂ طور۔ زرہ رخت حرم"

خود کو چراغ طور کہکر اور زرہ کو رخت حرم بنا کر غرض بس اتنی ہے
کہ مشبہ اشیاء کو زینت اور حسن سے پیش کیا جائے۔

شعر دیگر:۔

"نظر آتے ہیں تب خالے لب رنگین جاناں میں
گہر پیدا ہوئے ہیں پارۂ لعل بدخشاں میں"

ہونٹوں پر بخار کے پھپھولوں کو گہر کہا ہے مقصد یہ ہے کہ
اس میں بھی ایک حسن ہے۔

۶۔ مشبہ کو لوگوں کی نگاہوں میں برا ثابت کیا جائے
جیسے:۔ شعر:۔

"آگے تجھ بحرِ کرم کے صدف پُر گوہر   مٹھی اُس کی ہے جیسے نکلے بشدت چیچک"

یہاں سیپ کو ایسے شخص کے ہاتھ سے تشبیہ دی ہے جس کو چیچک نکلی ہو۔ سیپ اس کا ہاتھ ہے اور موتی کے دانے گویا چیچک کے دانے۔ یہاں موتی کی تحقیر مقصود ہے۔

شعر دیگر:۔

"زنبورِ سیاہ خال اُس کے   برگد کی جٹائیں بال اُس کے"

یہاں تل کو بھِڑ سے اور بال کو برگد کی جٹا سے تشبیہ دی ہے اور غرض تحقیرِ مشبہ ہے۔

۷۔ مشبہ کو عمدہ اور نادر ثابت کریں اس کی دو صورتیں ہیں۔

الف:۔ مشبہ بہ نادر ہو اس کے ساتھ تشبیہ دینے میں مقصود یہ ہو کہ مشبہ بھی نادر بن جائے۔ جیسے

شعر:۔

"ہے عجب جھومر کا عالم اپنے رشکِ حور کا   سرو میں خوشہ لگا دیکھا نہ تھا انگور کا"

یہاں محبوب کو سرو اور جھومر کو انگور کا خوشہ کہا ہے۔ مشبہ بہ یعنی سرو میں انگور کا خوشہ واقعی عجیب نادر چیز ہے ویسی ہی ندرت محبوب اور اُس کے جھومر میں پیدا کرنی چاہی ہے۔

شعر دیگر:۔

"چہرۂ مہروش ہے ایک سنبلِ مشک فام دو   حسنِ بتاں کے دور میں سحر ہے ایک شام دو"

یہاں چہرہ کو ایک صبح اور دو زلفوں کو دو شام کہا ہے۔ مشبہ بہ یعنی ایک صبح اور دو شام کا ہونا عجیب ہے ویسی ہی ندرت چہرہ اور دو زلفوں میں بھی پیدا کرنی چاہی ہے۔

شعر دیگر:۔

"مسی آلودہ لب پر رنگ پاں ہے تماشا ہے کہ آتش دھواں ہے"

یہاں ایسے ہونٹ کو جس پر پہلے سے مسی ملی ہو اس کے بعد پان کا رنگ چڑھا ہو ایسی آگ سے تشبیہ دی ہے جس کا دھواں اوپر نہ ہو بلکہ نیچے ہو۔ دھوئیں کا آگ کے نیچے ہونا عجیب تھا ایسی ہی ندرت مسی ملے ہونٹ پر پان کے رنگ سے پیدا کرنی چاہی ہے۔

ب۔ مشبہ بہ نادر نہ ہو لیکن مشبہ کی ندرت سے مشبہ بہ کو بھی نادر سمجھا جائے جیسے۔

شعر:۔

تری آنکھوں کی گردش دیکھ کر سب لوگ کہتے ہیں
یہ پتلی پھر رہی ہے واہ کس انداز سے کل پر

کل پر پتلی کا پھرنا کچھ عجیب بات نہیں ہاں جب آنکھوں کی گردش کا تصور کرتے ہیں تو وہ بھی عجیب معلوم ہوتی ہے۔

شعر دیگر:۔

مژدۂ وصل ترا یار مجھے یوں پہونچا جوں مہ عید کی صائم کو خبر آخر شب

یہاں مژدۂ وصل کا موت کے قریب پہونچنا مشبہ ہے اور روزہ دار کو عید کے چاند نکلنے کی خبر رات میں پہونچنا مشبہ بہ ہے مشبہ بہ چنداں نادر نہیں ہاں مشبہ کی ندرت نے اس میں اثر کیا۔

مثال دیگر:۔

یہ لٹکی ہوئی لٹ جو کاکل کی ہے نئی شاخ یہ نخل سنبل کی ہے

نخل سنبل کی نئی شاخ کوئی عجیب چیز نہیں مگر کاکل کی لٹکی ہوئی لٹ کا تصور جب اس کے ساتھ ہے تو اس میں بھی ندرت آگئی۔

اغراض تشبیہ اگر مشبہ بہ سے متعلق ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) مشبہ بہ کو شاعرانہ دعویٰ سے کسی صفت میں مشبہ سے بڑھا دیں جیسے: شعر:۔

"صبح آیا جانب مشرق نظر اک نگار آتشیں رُخ سر کھُلا

تھی نظر بندی کیا جب رد سحر بادۂ گلرنگ کا ساغر کھُلا"

ان اشعار سے قبل آفتاب کا ذکر ہے۔ ان اشعار میں اسی آفتاب کو جس میں چمک اور حُسن زیادہ ہے، پہلے ایک حسین شخص سے پھر شراب کے پیالہ سے تشبیہ دی۔ حالانکہ ان دونوں چیزوں میں حُسن اور چمک آفتاب سے کم ہے مگر گویا شاعر نے ان دونوں چیزوں کے زیادہ کامل ہونے کا دعویٰ کیا ہے لہٰذا ان کو مشبہ بہ قرار دیا ہے۔

مثال دیگر: شعر:۔

یوں سر پہ ہو مہر آتشیں خو؛ ٹوپی پہ کسی کے جیسے جگنو؛
سورج کو ایک کمتر چیز جگنو کہا ہے۔ گویا شاعرانہ دعویٰ کیا ہے جگنو کے سورج سے بڑھ جانے کا۔

مثال دیگر شعر:۔

"پڑ گیا عکس مقرر ہے کسی کا اس پر مہر مانند رخ یار درخشاں ہے آج"
سورج کو مانند چہرۂ یار کہا گویا چہرہ یار کے سورج سے بڑھ کر ہونے کا شاعرانہ ادعا کیا ہے۔

(ب) اس چیز کو مشبہ بہ بنائیں جس کی شان کا اہتمام منظور ہے اسے "اظہار مطلوب" بھی کہتے ہیں۔

شعر:۔

"کوندے ہے جو بجلی تو یہ سوجھے ہے نشہ میں ساقی نے مئے تیز ہے آتش پہ اڑائی"
یہاں بجلی کے چمکنے کو اس شراب سے تشبیہ دی ہے جو آگ پر اڑائی جائے۔ غرض صرف یہ ہے کہ شراب جو مطلوب اور مرغوب ہے اس کا بیان اہتمام سے ہو جس سے اس کی شان ظاہر ہو۔

مثال دیگر شعر:۔

صورت وہی عظمت وہی گردش وہی گیتی حیراں ہے کہ یہ چرخ ہے یا آبلہ اپنا
یہاں چرخ مشبہ ہے اور آبلہ مشبہ بہ ہے۔ چونکہ آبلہ کی شان کا اظہار مقصود ہے اس لیے آسمان کو آبلہ سے تشبیہ دی ہے۔

غرض تشبیہ کے لحاظ سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں۔
۱۔ **مقبول**۔ جس تشبیہ سے غرض تشبیہ صاف ظاہر ہو مثلاً۔ مشبہ کا امکان بھی واضح ہو۔ مشبہ بہ کی شہرت بھی ظاہر ہو اور مشبہ بہ کی اچھائی اور برائی بھی سب کے نزدیک مسلم ہو وغیرہ اس کی مثالیں عام ہیں جو اوپر گذر چکی ہیں۔

۲۔ **مردود**۔ جس سے غرض تشبیہ صاف ظاہر نہ ہو جیسے ہم کہیں "زید شجاعت میں نوشیرواں ہے" حالانکہ نوشیرواں کی شہرت بہادری میں نہیں ہے بلکہ انصاف میں تھی۔ یہ مروج اور مقبول نہیں اسی لیے اس کو مردود نامقبول کہتے ہیں۔

تشبیہ کے پورے بیان کو خلاصہ کے طور پر یکجا ظاہر کرنے کے لیے ہم ایک شجرہ ذیل میں دیتے ہیں۔

اقسام تشبیہ کا شجرہ

- (۱) طرفین تشبیہ کے لحاظ سے
  - مفرد
  - مرکب
  - مشبہ مفرد مشبہ بہ مرکب
  - مشبہ مرکب مشبہ بہ مفرد
  - مشبہ اور مشبہ بہ متعدد
    - (ملفوف) پہلے چند مشبہ ان کے ساتھ پھر سب کے مشبہ بہ
    - (مفروق) پہلے ایک مشبہ اور مشبہ بہ پھر دوسرا مشبہ اور مشبہ بہ
- (۲) حرف تشبیہ کے لحاظ سے
  - (۱) موکد — جسمیں حرف تشبیہ محذوف ہو
  - (۲) مرسل — جسمیں بجائے حرف تشبیہ اضافت ہو
- (۳) وجہ شبہ کے لحاظ سے
  - ۱ مجمل
  - ۲ مفصل
  - ۳ غریب بعید
  - ۴ قریب مبتذل
- (۴) غرض تشبیہ کے لحاظ سے
  - (۱) مقبول
  - (۲) مردود
- (۵) ضعف و قوت کے لحاظ سے
  - تشبیہ مطلق — چاروں ارکان تشبیہ کے موجود ہوں
  - صرف حرف تشبیہ نہ ہو
  - صرف وجہ تشبیہ نہ ہو
  - وجہ شبہ اور حرف تشبیہ نہ ہو
  - سوال کے جواب میں مشبہ اور حرف تشبیہ نہ ہو
  - سوال کے جواب میں مشبہ اور وجہ شبہ نہ ہو
  - سوال کے جواب میں مشبہ نہ ہو
  - سوال کے جواب میں مشبہ۔ حرف تشبیہ اور وجہ شبہ تینوں نہ ہوں۔

فصل دوم۔ استعارہ

حقیقت اور مجاز | جیسا اوپر بیان کیا جا چکا ہے لفظ سے اگر اس کے اصلی موضوع معنی مراد ہوں تو وہ حقیقت ہے۔ اور اگر لفظ کا مفہوم اصلی معنوں سے کچھ ہٹا ہوا ہے تو اُسے مجاز کہتے ہیں۔ لیکن اصلی معنی چار قسم کے ہوتے ہیں۔

۱ حقیقت لغوی۔ یعنی لغت میں ایک ہی معنی کے لیے بنایا گیا ہے۔ جیسے کتاب کے معنی ہیں "لکھے ہوئے کاغذوں کا مجموعہ"

۲ حقیقت شرعی۔ یعنی وہ لفظ مذہب میں کسی معنی کے لیے بولا جائے جیسے "صلٰوۃ" مذہب میں نماز کے لیے مقرر ہے۔

۳ حقیقت اصطلاحی۔ یعنی لفظ کو کسی خاص جماعت نے ایک معنی کے لیے مقرر کرلیا ہے جیسے "حرف" لغت میں حروف ہجا کو کہتے ہیں مگر قواعد زبان والوں نے اس سے وہ لفظ مراد لیا ہے جو مستقل معنی نہ رکھے اور اسم کو فعل سے ملائے [دراصل شرعی اور اصطلاحی ایک ہی شئے ہے کیونکہ شرعی کا مطلب بھی یہی ہے کہ مذہب کے گروہ نے کسی لفظ کو ایک خاص معنوں میں محدود کرلیا ہے مگر شرع کی تعظیم کے خیال سے اس کو اصطلاحی سے الگ رکھا ہے]

۴ حقیقت عرفی۔ یعنی عام لوگ کسی لفظ کے کوئی خاص معنی سمجھتے ہیں۔ جیسے حیوان لغت میں اس سے مراد عموماً ہر جاندار ہے۔ کیڑے۔ چوپائے۔ انسان۔ سبھی حیوان ہیں۔ مگر عرف عام میں اس سے صرف کیڑے اور

چوپائے مراد ہوتے ہیں۔
جس طرح حقیقت کی چار قسمیں ہیں اسی طرح مجاز کی بھی چار قسمیں ہیں
چنانچہ اوپر کی مثالوں میں مجاز اس طرح ہوگا کہ:-
مجاز لغوی:- لغت میں تو اس کے ایک معنی ہیں مگر اس کو کسی اور
معنی میں استعمال کریں جیسے لغت میں کتاب کے جو معنی ہیں اوپر گذر چکے
ہیں مگر ہم پھول کے لیے کتاب کہیں کیونکہ وہ پنکھڑیوں کا مجموعہ ہے۔
مجاز شرعی:- مذہب میں تو وہ لفظ کوئی خاص معنی دے مگر مذہب
ہی کے امور میں ہم اس سے وہ مذہبی خاص معنی مراد نہ لیں بلکہ کوئی
دوسرے معنی مراد لیں جیسے "صلاۃ" کے معنی بجائے نماز کے دعا کے لیں۔
صلاۃ لغت میں دعا کو کہتے ہیں۔ مذہب میں دعا کے معنوں میں استعمال
مجاز شرعی ہوگا۔
مجاز اصطلاحی:- یعنی لفظ کسی گروہ میں کسی خاص معنوں میں مستعمل تھا
مگر اسی گروہ میں ان معنوں میں استعمال نہ کیا گیا ہو جیسے قواعد میں فعل
سے ہم کرنا مراد لیں۔
مجاز عرفی:- یعنی لفظ کو عام معنی سے ہٹا کر بولا جائے جیسے تعزیہ
سے عموماً ماتم پرسی مراد ہو۔

مجاز کی دو قسمیں ہیں

۱۔ **مجاز مطلق** ۔ اگر لفظ سے مجازی معنی مراد نہ ہوں بلکہ حقیقی معنوں کو لازم معنی مراد ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اصلی معنی مراد نہ لیے جا سکیں تو اس کا نام مجاز مطلق ہے جیسے ہوش اُڑنا میں اڑنا اصلی معنوں سے ہٹا کر استعمال کیا گیا ہے اور اصلی معنی مراد نہیں ہو سکتے ۔

۲۔ **کنایہ** ۔ اگر لفظ مجازی معنوں میں استعمال ہو کہ اصلی معنی بھی مراد ہو سکیں تو اسے کنایہ کہتے ہیں جیسے آنکھ کا پانی آنسو کو کہیں ۔

فائدہ :۔ قواعد والوں نے عموماً اس بحث کو یوں لکھا ہے :۔

" لفظ سے اگر اصلی معنی مراد ہوں تو حقیقت ہے ۔ اگر حقیقی معنی مراد نہ ہوں اور اصلی معنی بھی مراد نہ ہوں تو مجاز ہے ۔ اور اگر اصلی معنی بھی مراد ہو سکیں تو کنایہ ہے "۔ پھر مجاز کی قسمیں استعارہ اور مجاز مرسل کی ہیں ۔

لیکن اس میں ایک نقص یہ ہے کہ اس میں کنایہ اور مجاز برابر کی چیزیں سمجھی جاتی ہیں ۔

اس کو شجرہ میں سمجھو :۔

لفظ

حقیقت

مجاز کنایہ

حالانکہ کنایہ بھی دراصل مجاز ہے۔ کیونکہ اس میں بھی تو آخر پہلی شرط اصلی معنوں سے ہٹنے کی ہے۔ اور یہی مجاز ہے۔
اس کو بھی شجرہ میں سمجھو۔
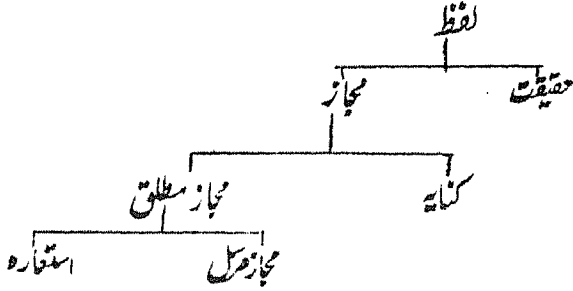
لہذا ہم نے حقیقت کے مقابل قسم کو مجاز۔ اور کنایہ کے مقابل قسم کو مجاز مطلق کہا ہے۔ جس طرح علم صرف میں مشتقات مصدر میں ماضی، ایک تو مضارع وغیرہ کے مقابل قسم کا نام ہے پھر ماضی استمراری وغیرہ کے مقابل قسم کا نام بھی ماضی ہے اور دونوں میں ذرا سا فرق کرنے کے لیے اس کا نام ماضی مطلق رکھا۔
کنایہ کا بیان ہم بعد میں لکھیں گے پہلے مجاز مطلق کو مع اقسام (کنایہ و استعارہ) کے بیان کرتے ہیں۔

۱۔ مجاز مطلق

لفظ کو مجازی معنوں میں استعمال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دو لو

معنوں میں کسی قسم کا تعلق ہو کیونکہ اگر دونوں معنوں میں یہ علاقہ نہ ہوا تو لفظ کو دوسرے معنی میں استعمال کرنا غلط ہوگا جیسے کسی کتاب کی طرف اشارہ کرکے کہیں کہ "یہ گھوڑا خرید لو" تو چونکہ کتاب اور گھوڑے میں کسی قسم کا علاقہ اور مناسبت نہیں ہے اس لیے یہاں مجازی معنی میں کتاب کا استعمال غلط ہے۔

حقیقی اور مجازی معنوں میں عموماً حسب ذیل قسم کے علاقے ہوا کرتے ہیں۔ تشبیہ کا تعلق۔ سبب اور نتیجہ کا علاقہ۔ جزو و کل کی نسبت۔ ظرف و مظروف کا لگاؤ۔ زمانہ حال و مستقبل کی مناسبت۔ آلہ اور ذو آلہ کا ربط۔ مقید و مطلق کا واسطہ وغیرہ۔

۱۔ **استعارہ**۔ پس اگر حقیقی معنوں اور مجازی معنوں میں باہم تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں جیسے شیر کہیں اور زید مراد لیں۔ شیر کے اصلی معنی درندہ کے اور مجازی معنی بہادر کے ہیں۔ دونوں میں تشبیہ کا تعلق ہے کیونکہ زید کو شیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۲۔ **مجاز مرسل**:۔ اگر حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کے علاوہ باقی اور اقسام کے علاقے ہوں تو اس کا نام مجاز مرسل ہے جیسے ہم کسی کے بارے میں کہیں "اجی وہ تو ہمارے ہاتھ میں ہے" اور مراد ہاتھ سے قابو ہے کیونکہ ہاتھ اور قابو میں سبب اور نتیجہ کا علاقہ ہے۔

استعارہ اور تشبیہ کا فرق | تشبیہ کا مفصل بیان اوپر گذر چکا ہے اور استعارہ کی

تعریف ابھی بیان ہوئی۔ اگرچہ اس سے ان کا باہمی فرق سمجھ میں آگیا ہوگا مگر ہم مزید وضاحت کے لیے یہاں دونوں کا فرق واضح کئے دیتے ہیں۔

۱۔ تشبیہ دراصل حقیقت سے تعلق رکھتی ہے اور استعارہ مجاز سے۔

۲۔ تشبیہ میں دو جُداگانہ چیزوں کو جُداگانہ ہی مانتے ہیں مگر ایک امر کو دونوں میں مشترک دیکھ کر ایک کو بغرض تحسین و شہرت دوسرے کی طرح ثابت کرتے ہیں اور استعارہ میں ایک کو بعینہٖ دوسری چیز سمجھ لیتے ہیں بالفاظ دیگر یوں سمجھو کہ مشبہ کو عین مشبہ بہ مان لیتے ہیں۔

۳۔ تشبیہ میں حرف تشبیہ ہوتا ہے (اور اگر مذکور نہیں ہوتا تب بھی محذوف ہوتا ہے) اور لفظوں میں اس کو مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان رکھ کر بولنا صحیح ہو سکتا ہے مگر استعارہ میں چونکہ اصلی معنی مراد نہیں لہٰذا نہ طرفین تشبیہ کو الگ الگ مان سکتے ہیں اور نہ حرف تشبیہ دونوں کے درمیان لا سکتے ہیں۔

۴۔ تشبیہ کے ارکان چار ہوتے ہیں۔ مشبہ۔ مشبہ بہ۔ وجہ شبہ۔ حرف تشبیہ۔ استعارہ میں ان کے نام بدل جاتے ہیں۔ مشبہ کو مستعار لہٗ، مشبہ بہ کو مستعار منہ اور وجہ شبہ کو حرف جامع کہتے ہیں اس میں حرف تشبیہ تو ہو نہیں سکتا بجائے اس کے استعارہ میں چوتھا رکن مستعار کہلاتا ہے۔

مستعار اُس لفظ کو کہتے ہیں جو مجازی معنی ادا کرنے کے لیے لایا جائے۔

ان تمام ارکان استعارہ کو ایک مثال میں سمجھو مثلاً معشوق کے لیے صنم کا لفظ استعمال کریں جس کے لغوی معنی بت کے ہیں چونکہ صنم اپنے اصلی معنوں میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ اور اصلی معنی بت اور مجازی معنی محبوب کے مابین تشبیہ کا علاقہ ہے یعنی اگر ہم طرفین تشبیہ کو دو جدا گانہ چیز سمجھتے تو یوں کہتے کہ محبوب مثل صنم مگر ہم صنم کو عین محبوب مانتے ہیں تو صنم (مورتی) ہونا جو تشبیہ میں مشبہ بہ ہوتا یہاں مستعار منہ ہے۔ محبوب جو تشبیہ میں مشبہ ہوتا یہاں مستعار لہٗ ہے۔ اور سنگدلی یا عاشق کے سامنے خاموشی جو تشبیہ میں وجہ شبہ ہوتی یہاں وجہ جامع ہے اور صنم کا لفظ جو مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے مستعار کہلاتا ہے۔ کیونکہ یہاں یہ لفظ اصلی معنی سے مانگ کر مجازی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

۱۔ طرفین استعارہ

- بلحاظ جمع طرفین
  - وفاقیہ
  - عنادیہ
- بلحاظ مناسبات طرفین
  - مطلقہ
  - مجردہ
  - مرشحہ
  - مجردہ مرشحہ

مستعار منہ اور مستعار لہٗ کو طرفین استعارہ کہتے ہیں۔

طرفین استعارہ کے جمع ہو سکنے کے لحاظ سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ **وفاقیہ**۔ اگر طرفین استعارہ کا ایک جگہ یا ایک شخص میں جمع ہونا ممکن ہو تو اس کو استعارہ وفاقیہ کہتے ہیں جیسے ۔
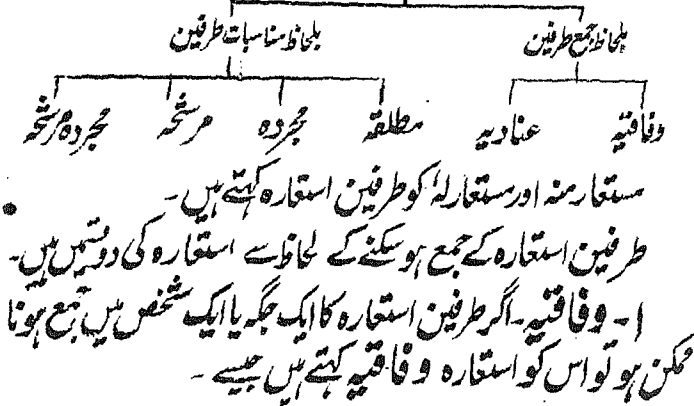
شعر:-

نکلنے کا رستہ نہ بچنے کی جا ہے — کوئی ان میں سوتا کوئی جاگتا ہے

یہاں غفلت کا استعارہ سونے سے کیا ہے۔ بیداری اور ترقی کا جاگنے سے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک شخص میں غفلت اور سونا دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح ترقی اور جاگنا بھی ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں۔

یہاں غفلت کی حالت مستعار لہٗ ہے اور سونے کی حالت مستعار منہٗ ہے اور سونے کا لفظ مستعار ہے اور بے خبری وجہ جامع ہے۔ اسی طرح ترقی کی حالت مستعار لہٗ ہے اور جاگنے کی حالت مستعار منہٗ اور جاگنے کا لفظ مستعار ہے اور باخبری وجہ جامع ہے۔

شعر دیگر:-

راعی نے للکار کر جب پکارا — تو سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا

یہاں پیغمبر اسلام کا استعارہ راعی سے کیا ہے۔ اور راعی ہونا اور پیغمبر ہونا ایک شخص میں جمع ہونا ممکن ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام نے بکریاں چرائی ہیں۔ راعی ہونا مستعار منہٗ اور پیغمبری مستعار لہٗ ہے اور لفظ راعی مستعار۔ اور نگرانی وجہ جامع ہے۔

مثال دیگر شعر:-

ترقی کا جس دم خیال ان کو آیا — اک اندھیر تھا زیر سکول پہ چھایا

یہاں اندھیرے کا مفہوم مستعار لہٗ۔ جہالت مستعار منہٗ۔ لفظ اندھیر

مستعار۔ اور صحیح راستہ معلوم نہ ہونا وجہ جامع ہے اندھیرا اور جہالت کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن ہے۔

۲۔ عنادیہ: یہ ہے کہ طرفین استعارہ کا ایک جگہ یا ایک شخص میں جمع ہونا محال ہو جیسے کسی مردہ مگر نیکنام شخص کو بسبب شہرت کے زندہ کہیں۔ اور ظاہر ہے زندگی کا مردہ میں جمع ہونا محال ہے۔

شعر دیگر:۔

پہونچے انھیں لے کر جو وہ ظالم سر دربار   خدام نے کی عرض کہ حاضر ہیں گنہگار

یہاں گنہگار کہا ہے حضرت مسلم کے لڑکوں کو جو ہرگز مجرم نہیں تھے اور مجرم ہونا اور مجرم نہ ہونا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے گنہگار ہونے کی حالت مستعار منہ ہے اور بے گناہی مستعار لہٗ گنہگار کا لفظ مستعار اور قید ہو کر آنا وجہ جامع ہے۔

مثال دیگر۔ ع:۔

"بہت سارو ئیے اُن پہ جو اس جینے پہ مرتے ہیں"

یہاں خواہش کرنے کا استعارہ مرنے سے کیا گیا ہے۔ مرنے کی حالت مستعار منہٗ۔ خواہش کرنے کی حالت مستعار لہٗ مرنے کا لفظ مستعار اور سخت صدمہ وجہ جامع ہے اور جینا اور مرنا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

استعارہ عنادیہ کی ایک قسم طنز اور ظرافت سے ذو ضدوں کو

جمع کر دینا بھی ہے اور وجہ تضاد کو ظرافت سے وجہ جامع کہہ دیا جاتا ہے جیسے :

شعر :-

کوئی آج سے ہے فلک مدعی کیا ہمیشہ میرے حال پر مہربان ہے

یہاں ناراض کا استعارہ مہربان سے کیا ہے اور ناراضی اور مہربانی میں عناد ہے۔ مہربانی مستعار منہ، ناراضی مستعار لہٗ، مہربان کا لفظ مستعار اور دشمنی وجہ جامع ہے۔

مثال دیگر :-

شریعت ہوئی ہے نکونام اُن سے بہت فخر کرتا ہے اسلام اُن سے

بدنام کا استعارہ نکونام سے اور شرم کرنے کا استعارہ فخر کرنے سے کیا ہے۔ اور بدنامی، نکونامی یا شرمانا اور اترانا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ نکونامی مستعار منہ۔ بدنامی مستعار لہٗ۔ لفظ نکونام مستعار اور بداخلاقی وجہ جامع ہے۔

لیکن استعارہ کی چار قسمیں اور بھی ہیں اس لحاظ سے کہ شعر یا جملہ میں طرفین استعارہ کے کچھ مناسبات بھی بیان کیے گئے ہیں یا نہیں۔

ا مطلقہ ۔ وہ استعارہ جس میں مستعار لہٗ اور مستعار منہ کسی کے مناسبات بھی ذکر نہ کیے جائیں جیسے : شعر :-

ہیں یاد وہ بے مثال آنکھیں کیا ہیں تری او غزال آنکھیں

یہاں غزال کا استعارہ محبوب کے لیے کیا ہے۔ محبوب مستعار لہٗ اور ہرن ہونا مستعار منہ ہے مگر یہاں ان دونوں کے مناسبات میں سے کوئی لفظ نہیں ذکر کیا گیا۔

مثال دیگر: شعر:۔

پڑھتے تو کبھی صورتِ شمشیر نہ رکتے　　عرصہ میں کسی طور سے وہ شیر نہ رکتے

یہاں شیر کا استعارہ انسان کے لیے کیا گیا۔ پہلا مستعار منہ ہے اور دوسرا مستعار لہٗ۔ مگر کسی ایک کے بھی مناسبات ذکر نہیں کئے گئے۔

۲۔ مجرّدہ:۔ وہ استعارہ جس میں صرف مستعار لہٗ کے مناسبات بیان کئے جائیں جیسے۔ شعر:۔

ان پھولوں کو مقتل سے اٹھا لینے دے مجھ کو
مٹی میں ستاروں کو چھپا لینے دے مجھ کو

یہاں پھول اور ستارہ سے مراد آدمی ہیں۔ پس آدمی مستعار لہٗ پھول اور ستارہ کی کیفیت مستعار منہ ہیں۔ اور مقتل اور مٹی کے الفاظ آدمی مستعار لہٗ کے مناسبات سے ہیں۔

مثال دیگر: شعر:۔

بھیجنا خط کا کیا اُس بُت نے بند　　اب خدایا موت کا پیغام بھیج

یہاں محبوب مستعار لہٗ اور بُت ہونا مستعار منہ ہے اور خط نہ بھیجنا محبوب مستعار لہٗ کے مناسبات سے ہے۔

۳۔ مرشحہ:۔ وہ ہے جس میں صرف مستعار منہ کے مناسبات کا ذکر ہو جیسے: شعر:۔

فریاد نہ کرتے پایا مضطر تاباں ہوئی رکھیں وہ اخگر

یہاں بکاؤلی کو اخگر کہا ہے۔ بکاؤلی مستعار لہ اور اخگر کی حالت مستعار منہ ہے۔ اور اخگر مستعار منہ کی رعایت سے رکھ اور تاباں کا ذکر آیا ہے۔

مثال دیگر: شعر:۔

ناناسے چھٹے قبر حسن چھوڑ کر آئے اس دشت کے کانٹوں میں چمن چھوڑ کر آئے

اس شعر میں چمن کا استعارہ وطن کے لیے کیا ہے۔ دشت اور کانٹوں کا ذکر وطن مستعار منہ کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔

۴۔ مجرد و مرشحہ:۔ وہ استعارہ ہے جس میں مستعار منہ اور مستعار لہ دونوں کے مناسبات کا ذکر ہو جیسے: شعر:۔

جان پھولوں میں پڑی زندہ ہوئی خاک چمن

ہے دم جان بخش عیسیٰ یا نسیم بوستان

جان پڑنا استعارہ ہے ترو تازہ ہونے سے اور زندہ ہو جانا کہا ہے نباتات کے اُگ آنے کو اور اُگنے کے مناسبات سے نسیم بوستان کا اور جان پڑنے کی مناسبت سے عیسیٰ کا ذکر لائے ہیں۔

مثال دیگر: شعر:۔

باغ میں آتے سنکر تجھکو باد سحر یہ گھبرائی ساغر جبتک لادیں ہی لاویں تو تُو سبو کو جام کیا

یہاں غنچہ اور گل مستعار لہ ہے اور سبو اور جام کی شکل مستعار منہ ہے۔ مستعار لہ کا مناسب باغ اور باد سحر ہے۔ اور مستعار منہ کا مناسب ساغر اور معشوق ہے۔

۲- وجہ جامع

وجہ جامع کی کل دو صورتیں ہوتی ہیں:۔

۱- جزو طرفین ہو:۔ یعنی وجہ جامع طرفین استعارہ کا جزو ہو

جیسے:۔ شعر:۔

"قوم کے واسطے ملکوں میں اُڑے پھرتے تھے
باوجودیکہ نہیں رکھتے تھے پَر آغا خاں"

جلدی جانے کا استعارہ اڑے پھرنے سے کیا ہے۔ اڑے پھرنا مستعار منہ اور جلدی جانا مستعار لہ اور قطع مسافت وجہ جامع ہے جو دونوں میں داخل ہے اور دونوں کا جزو ہے۔

شعر دیگر:۔

چھوڑ دو افسردگی کو جوش میں آؤ بس بہت سوئے اٹھو ہوش میں آؤ

غافل رہنے کا استعارہ سونے کے ساتھ کیا ہے اور بے پروائی اور بے خبری وجہ جامع ہے جو سونے کی حالت یعنی مستعار منہ میں اور غفلت یعنی مستعار لہ میں جزو کی طرح شامل ہے۔

۲۔غیر طرفین ہو:۔یعنی وجہ جامع طرفین استعارہ کی جزو نہ ہو اور یہ صورت بہت مقبول اور مروج ہے جیسے حاتم کا استعارہ سخی سے اور لعل کا استعارہ ہونٹ سے کریں ظاہر ہے کہ پہلی مثال میں سخاوت اور دوسری مثال میں سُرخی یہ سخی اور ہونٹ کے عارضی اوصاف ہیں نہ کہ ان کے اجزا ہیں۔

مثال دیگر:۔

ع "جب چلا چاند مدینہ کا سوئے رب جلیل"

پیغمبر اسلام کا استعارہ چاند سے کیا ہے اور وجہ جامع خوبصورتی ہے جو پیغمبر اسلام مستعار لہٗ اور چاند مستعار منہٗ کے مفہوم سے خارج ہے۔

مثال دیگر:۔شعر:۔

"ہشیار کہ وقت ساز و برگ آیا ہے ہنگام یخ و برف و تگرگ آیا ہے"

بڑھاپے کا استعارہ "ہنگام یخ و برف و تگرگ" سے کیا ہے اور وجہ جامع سپیدی یعنی مستعار لہٗ اور "ہنگام یخ و برف و تگرگ" یعنی مستعار منہٗ دونوں کے مفہوم سے خارج ہے۔

وجہ جامع کے لحاظ سے خود استعارہ کی تین قسمیں ہیں۔ مبتذلہ۔[1] غریبہ۔[2] تمثیلیہ۔[3]

۱۔مبتذلہ:۔طرفین استعارہ میں وجہ جامع ایسی ہو جو بہت جلد سب کی سمجھ میں آجاوے۔ تو اس کو استعارہ مبتذلہ کہتے ہیں

جیسے شیر کا استعارہ بہادر کے لیے کریں وجہ جامع شجاعت بالکل ظاہر ہے جلد سمجھ میں آجاتی ہے۔

مثال دیگر، شعر:-

"حسن کے نالوں کو مرے ہوگئے پتھر پانی سرِ مژگاں بھی ترا تر نہ ہوا پر نہ ہوا"

یہاں پتھر کا استعارہ بیرحمی کے لیے اور پانی ہونے کا استعارہ ترس کھانے سے کیا ہے۔ وجہ جامع پہلی مثال میں سختی اور متاثر نہ ہونا ہے اور دوسری مثال میں نرمی ہے۔

مثال دیگر، شعر:-

میرے گوھر تمام ناسفتہ میرے یاقوت سب بدخشانی

گوہر اور یاقوت کا استعارہ اشعار سے کیا ہے اور وجہ جامع نادر ہونا ہے۔

۲۔ غریبہ:- طرفین استعارہ میں وجہ جامع ایسی ہو جو نادر ہو اور عام لوگ نہ سمجھ سکیں اس کو استعارہ غریبہ کہتے ہیں جیسے۔

شعر:-

"موج مے کو ہو پیچش نہ شیشہ لے ہچکی گئی جہاں سے یہ بیماری فواق و زحیر"

شراب پیالہ میں انڈیلنے سے چکر کھانے لگتی ہے اس کے لیے پیچش (زحیر) کا استعارہ کیا ہے اور صراحی کی آواز کے لیے ہچکی (فواق) کا استعارہ کیا ہے۔ شراب کا گھومنا اور رک رک کر نکلنا وجہ جامع ہے جو ذرا دقت سے

سمجھ میں آتی ہے۔
مثال دیگر۔ شعر:۔
"جس کی آواز سے ہوں رونگٹے سوہاں کے کھڑے وہ محبت نے دیا سلسلۂ پا ہم کو"
(رہبی) سوہان کے دندانے ابھرے ہونے کا استعارہ رونگٹے کھڑے ہونے سے کیا ہے اور وجہ جامع سطح سے اٹھا ہونا اور مسلسل دندانے ہونا اور باریک ہونا ہے۔ جو جلد سمجھ میں نہیں آتا۔
مثال دیگر۔ شعر:۔
دم بدم رک رک کے ہے منہ سے نکل پڑتی زباں
وصف اس کا کہہ چکے فوارے یا کہنے کو ہیں
فوارے کے سوراخ سے پانی کی دھار نکلتی ہے اس کو زبان کے نکلنے سے استعارہ کیا۔ وجہ جامع اس میں دھار کا کبھی نکلنا کبھی رکنا کبھی نیچا اونچا ہونا ہے کیونکہ یہی حال زبان کا بھی ہے کبھی زیادہ نکل آتی ہے کبھی کم۔ کبھی باہر نکل آتی ہے اور کبھی اندر رہتی ہے۔
تشبیہ مبتذل کی طرح استعارہ مبتذلہ میں اگر ذرا سا تصرف کر دیا جاوے تو وہ بھی استعارہ غریبہ ہو جاتا ہے۔ جیسے یہ شعر ہے:۔
"نہ جانے قصد ہے کس خوں گرفتہ کا کہ رہتی ہے
علم، شمشیر زہر آلود۔ سر پر چشم فتاں کے"
یہاں ابرو کے لیے تیغ سے استعارہ کیا ہے اور یہ ایک عامیانہ بات

تھی لیکن زہر آلود کہنے سے اس میں ایک طرح کی غرابت آگئی کیونکہ زہر کو سبزی سے نسبت ہے اور سبزی اور سیاہی میں بہت زیادہ فرق نہیں مانا جاتا۔ یعنی ابرو کو بسبب سیاہی کے شمشیر زہر آلود سے استعارہ کرنے میں غرابت اور ندرت پیدا ہو گئی۔

مثال دیگر:۔ شعر:۔

"وہ بولی کہ بخت تھا زبردست خورشید کو ذرّے نے کیا پست"

بکاؤلی کے لیے خورشید سے استعارہ کیا ہے اور تاج الملوک کے لیے ذرّے سے اور یہ استعارہ اگر علیحدہ علیحدہ کہا جاتا تو نادر نہیں تھا البتہ دونوں کے تقابل سے اس میں غرابت آگئی۔

۳۔ تمثیلیہ:۔ بعض وقت وجہ جامع کئی چیزوں کی مجموعی حالت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کو استعارہ تمثیلیہ یا تمثیل کہتے ہیں یہ ٹھیک ٹھیک تشبیہ تمثیل کی طرح ہے۔ فرق صرف استعارہ اور تشبیہ کا ہے اس کو تمثیلیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس صورت میں یہ ضرب المثل بن جاتی ہے۔ جیسے:۔

شعر:۔

"پی بھی جا ذوق نکر پیش و پس جام شراب لب پہ توبہ ترے دل میں ہوس جام شراب"

پیش و پس کرنا مستعار منہ ہے۔ اور کسی فعل سے انکار کرنے اور پھر اقرار کرنے میں متردد ہونا مستعار لہٗ اور وجہ جامع یہ مجموعی حالت ہے کہ کوئی

شخص گویا کسی طرف بڑھتا ہے کبھی پلٹتا ہے۔ کبھی سوچنے لگتا ہے پھر قدم اٹھاتا ہے۔ پیش وپس کرنا ضرب المثل ہے۔

مثال دیگر: شعر:-

"فرہاد سے کہتی تھی تیشہ کی زباں ہر دم مغموم نہ ہونا واں سنگ آمد و سخت آمد"

سنگ آمد و سخت آمد" سے مراد یہ ہے کہ بہت مشکل پیش آگئی۔ یہاں سخت مشکل مستعار لہٗ ہے اور سنگ آمد و سخت آمد" مستعار منہ ہے وجہ جامع (۱) پتھر کی طرح سختی (۲) پتھر کی طرح گرانی (۳) مدد گار نہ ہونا وغیرہ امور کی مجموعی حالت ہے۔ سنگ آمد و سخت آمد کی بھی مجموعی وجہ جامع مثل بن گئی ہے۔

مثال دیگر: شعر:-

"انسان و پری کا سامنا کیا مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا"

مٹھی میں ہوا کا تھامنا استعارہ ہے محال اور بے عقلی کا کام کرنے سے اور وہ مثال کی طرح مستعمل و مروّج ہے۔

۳- وجہ جامع اور طرفین استعارہ

حسی یا عقلی ہونے کے لحاظ سے وجہ جامع اور طرفین استعارہ کی چھ قسمیں اور ہیں:-

۱- وجہ جامع اور طرفین استعارہ تینوں حسّی ہوں:- جیسے۔

(الف) باصرہ:۔ شعر:۔

"بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا   بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا"

معشوق کا استعارہ بجلی سے کیا ہے وجہ جامع یعنی یہ کہ دونوں چیزیں ظاہر ہو کر جلد ہی نگاہوں سے پوشیدہ ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی حسی ہے۔ اور بجلی کا کوندنا مستعار منہ ہے وہ بھی حسی ہے۔ اور محبوب کا نظر آنا مستعار لہ ہے وہ بھی حسی ہے اور کوندنے کا لفظ مستعار ہے۔

(ب) سامعہ:۔ شعر:۔

"صراحی قہقہہ بھرتی ہے مینا مسکراتا ہے   ہمارا یار جس دم جانب میخانہ آتا ہے"

اس میں صراحی کی آواز یعنی مستعار لہ بھی حسی ہے اور قہقہہ یعنی مستعار منہ بھی حسی ہے۔ اور وجہ جامع یعنی آواز کی یکسانی اور رک رک کر نکلنا بھی حسی ہے۔

(ج) شامہ:۔ شعر:۔

"صحن گلشن میں پریشاں جو وہ سنبل ہو جائے

نافۂ مشک ختن غنچۂ ہر گل ہو جائے"

یہاں سنبل سے بالوں کا استعارہ کیا ہے۔ سنبل مستعار منہ ہے اور حسی۔ بال مستعار لہ ہے اور حسی۔ خوشبو وجہ جامع ہے اور حسی۔

(د) ذائقہ:۔ شعر:۔

"کدھر ہے شتابی سے آ ساقیا   مجھے نوشدارو پلا ساقیا"

نوشدارو کا اثر مستعار منہ اور شراب مستعار لہٗ اور وجہ جامع مزہ تینوں حسّی ہیں [ہاں اگر مرغوب ہونا وجہ جامع قرار دی جائے تو اس صورت میں وجہ جامع عقلی ہوگی]

(۷) لامسہ :۔ شعر :۔

"اک پھول سے رکھتے ہیں خلش خار ہزاروں
اک سر ہے فقط اور خریدار ہزاروں"

یہاں پھول سے حضرت امام حسینؑ کے جسم شریف کا استعارہ کیا ہے اور خار سے ان کے حریف کا۔ پھول اور خار مستعار منہ ہے اور حسّی۔ جسم امام حسینؑ اور جسم مخالفین مستعار لہٗ ہے اور حسّی۔ اسی طرح وجہ جامع یعنی نرمی اور نازکی اور سختی یہ سب بھی حسّی ہیں۔

۲۔ طرفین استعارہ اور وجہ جامع تینوں عقلی ہوں۔ جیسے

شعر :۔

"چھوڑو افسردگی کو جوش میں آؤ بس بہت سوئے اٹھو ہوش میں آؤ"

غفلت مستعار لہٗ اور سونا مستعار منہ اور وجہ جامع بے خبری یہ تینوں باتیں عقلی ہیں۔

مثال دیگر :۔ شعر :۔

"کیا کہیے کہ خوباں نے اب ہم میں ہے کیا رکھا
ان چشم سیاہوں نے بہتوں کو سلا رکھا"

سُلا رکھنا مستعار منہ، مار ڈالنا مستعار لہٗ اور وجہ جامع حرکت کا مفقود ہونا یہ تینوں امور عقلی ہیں یا جیسے "خواب کا موت سے استعارہ کریں"

۳۔ طرفین استعارہ حسّی ہوں اور وجہ جامع عقلی :۔ اور یہ صورت بہت عام ہے۔ جیسے شیر سے بہادر کا استعارہ کریں۔ شیر مستعار منہ بہادر مستعار لہٗ دونوں حسّی ہیں اور وجہ جامع بہادری عقلی ہے۔

مثال دیگر :۔ شعر :۔

"ہے مجھے بھی خیال طوف حرم خضرِ رہ گر ہو فضل رحمانی"

یہاں ممدوح کے مکان کا استعارہ حرم سے کیا ہے۔ حرم مستعار منہ ہے اور حسّی۔ ممدوح کا مکان مستعار لہٗ ہے اور حسّی مگر وجہ جامع یعنی عظمت عقلی ہے۔

مثال دیگر :۔ شعر :۔

"اس شان سے غازی صف جنگاہ میں آیا
غُل تھا کہ اسد لشکر روباہ میں آیا"

یہاں فوج یزید کا استعارہ لومڑی کے لشکر سے کیا ہے۔ فوج یزید مستعار لہٗ ہے اور حسّی۔ لومڑی مستعار منہ ہے اور حسّی۔ مگر وجہ جامع نامردی عقلی ہے (جنگ گاہ کو جنگاہ کہتے ہیں)

۴۔ صرف مستعار لہٗ حسّی ہو مگر وجہ جامع اور مستعار منہ عقلی ہوں :

یہ صورت بھی بہت عام ہے جیسے قد محبوب کا استعارہ قیامت سے یا محبوب کا استعارہ جان سے یا بلائے جان سے کریں ان میں قد محبوب اور محبوب مستعار لہ ہیں اور حسی۔ مگر قیامت اور جان اور بلائے جان مستعار منہ عقلی ہیں وجہ جامع بھی عقلی ہے یعنی فتنہ انگیزی یا پیارا ہونا یا بیٹے کو نور چشم کہیں اس میں نور مستعار منہ اور رونق یا پیارا ہونا وجہ جامع دونوں عقلی ہیں۔

مثال دیگر: شعر:۔

"جلوہ دکھا کے گزرا وہ نور دیدگاں کا تاریک کر گیا گھر حسرت کشیدگاں کا"

یہاں بھی نور مستعار منہ اور لطافت اور رونق وجہ جامع دونوں عقلی ہیں۔

۵۔ صرف مستعار منہ حسی ہو مگر وجہ جامع اور مستعار لہ عقلی:

جیسے: شعر:۔

"چرخ پر بیٹھ رہے جان بچا کر عیسیٰ ہو سکا جب نہ مداوا ترے بیماروں کا"

یہاں بیٹھ رہنا مستعار منہ حسی ہے، مگر مداوا نہ کرنا جو مستعار لہ ہے اور وجہ جامع سکوت دونوں عقلی ہیں۔

مثال دیگر: شعر:۔

"درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا"

یہاں مشکلات کا تاگے سے استعارہ کیا ہے حرف رشتہ مستعار منہ حسی ہے۔ مگر مشکل مستعار لہٗ اور مشکل کا دراز معلوم ہونا وجہ جامع یہ دونوں عقلی ہیں۔

مثال دیگر:۔ شعر:۔

ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا کہیں کیا جی کو رو بیٹھے
بس اب اک ساتھ ہم دونوں جہاں سے ہاتھ دھو بیٹھے

یہاں ترک تعلق کا استعارہ ہاتھ دھو بیٹھنے سے کیا۔ ہاتھ دھونا مستعار منہ حسی ہے مگر ترک تعلق مستعار لہٗ اور فراغت وجہ جامع دونوں عقلی ہیں۔

۱۱۔ طرفین استعارہ حسی ہوں مگر وجہ جامع مرکب ہو۔ یعنی وجہ جامع کے بعض اجزا حسی ہوں بعض عقلی جیسے کسی بڑے شخص کا استعارہ آفتاب سے کریں اور وجہ جامع جانیں حسن اور بزرگی کے مجموعہ کو۔

بعض لوگ اس صورت کو کوئی مستقل صورت نہیں مانتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو دو جدا استعارے ہیں۔

مثال دیگر:۔ شعر:۔

کروں مختصر یاں سے اب ختم کی بات لگا رہنے اس میں وہ آب حیات

یہاں محبوب کا استعارہ آب حیات سے کرتے ہیں وجہ جامع نایابی اور نظروں سے پوشیدگی ہے۔

فائدہ:۔ جب طرفین استعارہ حسی ہوں گے تو وجہ جامع عقلی بھی ہو سکتی ہے اور حسی بھی۔ کیونکہ کسی شے کے اوصاف میں بعض کا

حسی اور بعض کا عقلی ہونا ممکن ہے۔ جیسے مرد کو شیر کہیں تو اگرچہ طرفین
استعارہ حسی ہیں مگر وجہ جامع بہادری عقلی ہے۔ یا محبوب کے آب دہن
کو شراب کہیں تو وجہ جامع مزہ حسی ہے۔ لیکن جب طرفین استعارہ عقلی
ہوں یا ان میں سے ایک بھی عقلی ہو تو وجہ جامع صرف عقلی ہوگی جیسے
خواب کو موت کہیں یا فرزند کو نور سے یا ترک تعلق کو ہاتھ دھونے سے
استعارہ کریں تو وجہ جامع عقلی ہی نکلے گی۔ خواب اور موت میں بےحس
کرنا فرزند اور نور میں لطافت اور مرغوب ہونا اور ترک تعلق اور ہاتھ
دھونے میں فارغ ہونا یہ سب امور عقلی ہیں۔

۴ مستعار

مستعار وہ لفظ ہے جس کو بول کر مستعار لہٗ اور مستعار منہ میں کوئی
وجہ جامع ثابت کی جاسکے مثلاً فرزند کو نورِ چشم کہنا۔ نور ہونا مستعار منہ
اور فرزند ہونا مستعار لہٗ ہے اور وجہ جامع لطافت اور مرغوب ہونا
ہے مگر لفظ نور مستعار ہے۔

مستعار کی دو قسمیں ہیں۔ اصلیہ۔ تبعیہ۔

۱۔ اصلیہ۔ اگر لفظ مستعار اسم یا مصدر و حاصل مصدر ہے
تو اس کو استعارہ اصلیہ کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ اسم سے مراد اسم نکرہ ہے اور اگر اسم معرفہ نکرہ کے

طور پر مستعمل ہونے لگے تو اس کو بھی اسم نکرہ ہی کہیں گے جیسے حاتم سخی کو کہیں اور رستم بہادر کو۔ پس استعارہ اصلیہ میں اسم نکرہ۔ اسم نکرہ بتاویل۔ اور اسم مصدر تین چیزیں شامل ہیں۔

ا = اسم نکرہ :۔ شعر :۔

"کیوں فاطمہ زہرا کو رلاتا ہے کفن میں دو پھول تو رہنے دے محمدؐ کے چمن میں"

پھول نکرہ سے حضرت مسلمؓ کے لڑکوں کا استعارہ کیا ہے۔

مثال دیگر :۔ ع :۔

"کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے"

یہاں شیر اسم نکرہ سے حضرت امام حسینؓ کا استعارہ کیا ہے۔

ب = اسم نکرہ بتاویل :۔ جیسے :۔ ع :۔

"یہ سحبان وائل ہیں اپنے زمان کے"

یہاں فصیح و بلیغ کا استعارہ سحبان وائل سے کیا ہے۔ اور یہاں سحبان وائل تاویل سے اسم نکرہ ہے نہ معرفہ۔

مثال دیگر :۔ ع :۔

"بنایا ہے یاروں نے فرعون اُن کو"

یہاں سرکش اور متکبر کا استعارہ فرعون سے کیا ہے اور فرعون یہاں تاویلاً اسم نکرہ ہے۔

ج = مصدر و حاصل مصدر :۔ ع :۔

"بے وجہ نہیں ابر بہاری کا یہ رونا"

یہاں رونا کا برسنے کے لیے استعارہ کیا ہے۔

مثال دیگر ع :-

"مے سے ہے اجتناب زاہد کو"

یہاں اجتناب سے پرہیز کا استعارہ کیا ہے۔ اجتناب کہتے ہیں پہلو بچانے کو۔

شعر دیگر :-

"تو برق حسن اور تجلی سے یہ گریز ! ہیں خاک اور ذوق تماشا لیے ہوئے"

یہاں گریز کا پرہیز کے لیے استعارہ کیا ہے۔

۲۔ تبعیہ :- اگر لفظ مستعار فعل یا شبہ فعل (یعنی اسم فاعل۔ صفت مشبہ۔ اسم مفعول۔ اسم تفضیل) یا حرف ہو تو اس کو استعارہ تبعیہ کہتے ہیں۔

افادہ :- یاد رکھو! استعارہ براہ راست ماضی یا مضارع وغیرہ کسی فعل میں نہیں ہوتا۔ اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ دراصل مصدر میں ہوتا ہے اس کے ذریعہ سے افعال مشتقہ میں بھی بول دیتے ہیں۔ اسی طرح کسی حرف میں بھی استعارہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ متعلق فعل جو امر ہو گا دراصل اس میں استعارہ ہوتا ہے۔ اب لفظ مستعار کے فعل یا شبہ فعل یا حرف میں ہونے کی مثالیں سنو :-

ا۔ فعل جیسے۔ ع "احوالِ میکدہ پہ بہت ابر رو گئے"
یا ع "روتا نہیں ہے شاہدِ مینا بے سبب"
یا ع "بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی"

مثالِ اوّل میں رو گئے فعل ماضی ہے اور اس سے برسنے کا استعارہ کیا ہے۔ مثالِ دوم میں "روتا نہیں ہے" فعل حال ہے اور اس سے شراب کے گرانے کا استعارہ کیا ہے۔ مثالِ سوم میں بھاگ فعل امر ہے اور اس سے پرہیز کرنے کا استعارہ کیا ہے۔

ب۔ شبہ فعل جیسے۔ ع "خندہ زن کس کا ہوا زخمِ دروں"
یا جیسے۔ ع "دل رفتہ جمال ہے اس ذوالجلال کا"
یا جیسے۔ ع "کشتۂ عشق ہیں ہم ہے یہ کفارہ اپنا"

پہلی مثال میں "خندہ زن" اسم فاعل ہے اور اس سے شگفتہ کا استعارہ کیا ہے دوسری مثال میں "رفتہ" صفت مشبہ ہے اور بےخود ہونے کا استعارہ اس سے کیا ہے تیسری مثال میں "کشتہ" اسم مفعول ہے اور اس سے صدمہ رسیدہ ہونے کا استعارہ کیا ہے۔

ج۔ حرف۔ جیسے۔ شعر۔

"ظلم سے باز آئے پر باز آئیں کیا　　کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا"

چھوڑ دینے کا استعارہ باز آنے سے کیا ہے۔ مصدر چھوڑ دینا تو مستعار لہٗ اور باز آنا مستعار منہ ہو سکتا تھا مگر یہاں (سے) کا حرف چونکہ چھوڑ دینے

سے متعلق ہے اس لیے مستعار لہٗ کو حذف کر کے حرف (سے) کے ساتھ استعارہ کیا ہے۔

مثال دیگر: شعر:۔

"کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر!
کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم"

یہاں حرف "کو" فائدہ کے لیے نہیں بلکہ درد و غم کے لیے مستعمل ہوا ہے۔ اور گو ظاہر میں حرف "کو" مستعار لہٗ ہے مگر حقیقت میں مستعار لہٗ درد و غم ہے اور مستعار منہ وہ کیفیت ہے، جو محبت کے بدلے میں عاشق کو ملنی چاہیئے تھی۔

فائدہ:۔ استعارہ تبعیہ میں ایک قرینہ ہوا کرتا ہے جس کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ استعارہ ہے حقیقت نہیں ہے جب فعل یا شبہ فعل مستعار واقع ہو تو قرینہ کا تعلق کبھی فاعل سے ہوتا ہے کبھی مفعول سے اور کبھی مضاف الیہ سے۔

فاعل کی مثال: شعر:۔

"تھم گیا طبل وغا کے بھی وہ آوازہ کا جوش
ہو گیا جوڑ کے ہاتھوں کو جلاجل خاموش"

خاموش ہو جانا انسان کی طرف منسوب ہو سکتا ہے نہ کہ جلاجل کی طرف۔ جلاجل کا کام تو آواز پیدا کرنا ہے۔ یا رک جانا ہے اس کی

آواز کے رُک جانے کا استعارہ خاموش ہو جانے سے کیا ہے۔ وجہ جامع سکون ہے۔ پس رُک جانے کا تعلق یہاں جلاجل سے ہے جو فاعل واقع ہوا ہے۔ اور خاموش ہونے کی نسبت جلاجل کی طرف کرنا ہی قرینہ ہے۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

"کہتی تھی ماہی بریاں کہ دیران تھا — داغ دیتے ہیں اُسے جس کو درم دیتے ہیں"

ماہی بریاں جس کو "کہتی تھی" کا فاعل ٹھہرایا ہے درحقیقت فاعل نہیں ہو سکتی۔ پس معلوم ہوا کہ استعارہ ہے اور مچھلی کے حالت سے کچھ خبر دینے کی حالت کا ظاہر کرنا استعارۃً ہے۔

مفعول کی مثال۔ شعر:۔

"ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا — فلاطوں کو پھر زندہ کر کے دکھایا"

جلانا دراصل علم و فن سے متعلق نہیں ہو سکتا۔ تو ان چیزوں کے لیے صحیح ہو سکتا تھا جو روح اور جسم رکھتی ہوں۔ مگر یہاں علم اور فن کے پھیلانے کا استعارہ فنوں کے جلانے سے کیا ہے۔ استعارہ کا قرینہ یہ امر ہے کہ جلانے کا تعلق اور اس کی نسبت فنوں کی طرف کی ہے جو مفعول ہے۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

"مومیائی ہو حمایت تری حق میں اس کی
سخت گیری سے فلک توڑے کسی کی گر آس"

یہاں توڑنے کا مفعول اس کو کہا ہے حالانکہ توڑنے کا مفعول اصلی
معنوں کے لحاظ سے اس نہیں بن سکتی۔ معلوم ہوا کہ استعارہ ہے اور توڑنا
مستعار منہ اور نہ برلانا مستعار لہ ہے۔

مضاف الیہ کی مثال۔ شعر:۔

"ہر اک شہر و قریہ کو یونان بنایا مزہ علم و حکمت کا سب کو چکھایا"

یہاں مزہ مضاف اور علم و حکمت مضاف الیہ ہے اور چکھایا کی نسبت
علم و حکمت کی طرف حقیقت کے لحاظ سے نہیں ہو سکتی بلکہ یہاں سکھایا
کے لیے چکھایا کا استعارہ کیا ہے۔ اس کے استعارہ ہونے کا قرینہ اس جگہ
یہ امر ہے کہ مزہ کو ایک ایسی چیز کی طرف مضاف کیا ہے جس کا تعلق
قوت ذائقہ سے مطلق نہیں یعنی علم و حکمت۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

"ساقیا زہر پلا دے مجھ کو شربت مرگ پلا دے مجھ کو"

شربت کو مرگ کا مضاف بنایا ہے حالانکہ مرگ کا مضاف حقیقت میں
شربت نہیں بن سکتا۔ البتہ استعارہ کے لیے ممکن ہے اور اس کا قرینہ
مضاف الیہ ہے۔

استعارہ بکنایہ مع لوازم و اقسام

اب تک جو کچھ بیان ہوا وہ استعارہ تصریحیہ
کی قسمیں اور مثالیں تھیں کیونکہ ان سب میں مستعار منہ (مشبہ بہ) نمایاں
ہوتا ہے اور اس کی تصریح ہوتی ہے۔ لیکن ایک قسم کا استعارہ اور

ہوتا ہے جس کو استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں۔ (ہم اس کو استعارہ بکنایہ کہیں گے)

استعارہ بکنایہ :۔ کبھی بولنے والا ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اپنے دل میں تشبیہ دیتا ہے۔ اور تشبیہ کے چاروں ارکان (مشبہ۔ مشبہ بہ وجہ شبہ۔ حرف تشبیہ) میں سے صرف مشبہ کا ذکر کرتا ہے۔ اسی کا نام استعارہ بکنایہ ہے۔ مگر مشبہ بہ محذوف کی بعض خصوصیتیں بھی مشبہ کے ساتھ بول جاتا ہے تو یہ استعارہ تخییلیہ ہے۔

آسان الفاظ میں یوں سمجھو کہ بعض وقت بولنے والا دو کام کرتا ہے

(۱) دل ہی میں ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دے لیتا اور صرف مشبہ کا ذکر کرتا ہے مگر مشبہ بہ کی تصریح نہیں کرتا (گویا کنایہ کرتا ہے)

(۲) مگر یہ اظہار کرنے کے لیے کہ ہم نے دونوں چیزوں میں تشبیہ ملحوظ رکھی ہے وہ مشبہ بہ کی خصوصیتیں مشبہ کے لیے استعمال کرتا ہے حالانکہ وہ حقیقۃً مشبہ کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتیں۔

ان دونوں کاموں میں پہلا کام (صرف مشبہ کا ذکر) استعارہ بکنایہ ہے اور دوسرا کام (خصوصیات مشبہ بہ کا ذکر) استعارہ تخییلیہ ہے جیسے ۔ ع :۔

"موت کے چنگل سے بچنا ہے محال"

یہاں کہنے والے نے (۱) موت کو درندہ سے دل ہی میں تشبیہ دی

مگر صرف مشبہ کا ذکر کیا اور مشبہ بہ کو محذوف رکھا یہ تو استعارہ بکنایہ ہے (۲) چنگل کا لفظ درندہ کے لیے خاص ہے اس کو یہاں اس لیے بیان کیا تاکہ مشبہ بہ کی جانب اشارہ نمایاں ہو جائے یہ استعارہ تخییلیہ ہے۔

فائدہ:۔ استعارہ بکنایہ اور استعارہ تخییلیہ دونوں لازم ملزوم ہیں کیونکہ اوپر کی مثال میں موت میں چنگل کہنا قرینہ ہے موت اور درندہ کے استعارہ بکنایہ کا۔ اور موت اور درندہ کا استعارہ چاہتا ہے چنگل یا کسی اور قرینہ کو تاکہ اس ذہنی تشبیہ کو ظاہر کرے۔ مختصراً استعارہ بکنایہ کے لیے اتنا یاد رکھو کہ صرف مشبہ مذکور ہو اور مشبہ بہ کے لوازم ہوں اور بس۔

مثال دیگر:۔ شعر:۔

"آگیا اصلاح پہ ایسا زمانہ کا مزاج تا زبانِ خامہ بھی آتا نہیں حرفِ دوا"

یہاں خامہ مشبہ مذکور اور انسان مشبہ بہ محذوف ہے استعارہ بکنایہ ہے۔ مگر انسان کے لوازم میں سے زبان کو خامہ کے لیے ثابت کرنا استعارہ تخییلیہ ہے۔

مثال دیگر:۔ شعر:۔

"ادب گر حضرتِ جبرئیل کا مانع نہ ہو مجھ کو
تو شاخِ سدرہ سے میری یہ آہِ ناتواں لپٹے"

شاعر نے دل ہی میں آہ کو طائر سے تشبیہ دی اور آہ مشبہ کا ذکر کیا۔ اور طائر مشبہ بہ کو ترک کیا۔ یہ استعارہ بکنایہ ہے مگر آہ کے لیے

طائر کے لوازم شاخ کہنا استعارہ تخییلیہ ہے۔"

افادہ:۔ مشبہ کے لیے جو مشبہ بہ کے خواص و لوازم ثابت کیے جاتے ہیں ان کی تین حیثیتیں ہوتی ہیں۔

(الف) یا تو وہ خاصیت اور لوازم مشبہ بہ کے لیے کمال کا سبب ہوتا ہے اور اُس کی ذات کا جزو نہیں ہوتا جیسے = ع:۔

"موت کے چنگل سے بچنا ہے محال"

یہاں چنگل جو مشبہ بہ ہے درندہ کے لوازم میں سے ہے تو چنگل کے بغیر بھی وہ درندہ درندہ ہو سکتا ہے۔ البتہ درندگی چنگل سے کامل ہوتی ہے۔

مثال دیگر: شعر:۔

"لطف سے اس کے زمیں غیرتِ باغِ فردوس

خلق سے اس کے زماں رشکِ دُکانِ عطار"

یہاں لطف کو بارش سے اور خلق کو خوشبو سے تشبیہ دی اور بارش اور خوشبو جو مشبہ بہ ہیں ان کو متروک کیا یہ تو استعارہ بکنایہ ہوا۔ اور بارش کے لوازم یعنی باغ فردوس کی طرح شادابی اور خوشبو کے لوازم یعنی دکان عطار کی طرح خوشبو داری کا ذکر کرنا استعارہ تخییلیہ ہے اور زمین باغ فردوس کی طرح شاداب ہونا یہ بارش کا کمال ہے اس کا جزو نہیں اسی طرح زمان کا دکان عطار کی طرح خوشبو دار ہونا خلق کا کمال ہے اس کا جزو نہیں۔

مثال دیگر: مصرع:-

"عقدۂ دل نہ کھلا ناخنِ تدبیر کے ساتھ"

یہاں شاعر نے دل ہی میں تدبیر کو انسان سے تشبیہ دی اور صرف مشبہ یعنی تدبیر کو بیان کیا یہ تو استعارہ بکنایہ ہوا اور مشبہ بہ یعنی انسان کے لوازم میں سے ناخن اور گرہ کھولنا کا ذکر کیا یہ استعارہ تخییلیہ ہوا اور گرہوں کا کھولنا ناخن کا کمال ہے جزو نہیں ہے۔

(ب) یا وہ لوازم مشبہ بہ کی ذات کا جزو ہوتے ہیں اور مشبہ بہ کا تصور بغیر اُس کے نہیں ہو سکتا جیسے: شعر:-

"ایک مدت تک تو تاج غم پہ غم کھایا کیا
آخر اک دن گور کے منہ کا نوالہ ہو گیا"

گور کو حیوان سے ذہن میں تشبیہ دی اور حیوان کا ذکر نہیں کیا یہ تو استعارہ بکنایہ ہوا اور حیوان کے لوازم۔ منہ۔ نوالہ کا ذکر گور کے لیے یہ استعارہ تخییلیہ ہے اور یہ لوازم مشبہ بہ کی ذات کا جزو ہیں کہ کھا جانے والا حیوان بغیر منہ۔ نوالہ و لقمہ کے نہیں کھا سکتا۔

مثال دیگر: شعر:-

"زبان دہن میں تو غنچہ کے بھی ہے کیا لازم
کہ جو زبان رکھے وہ سخنوری جانے"

یہاں ذہن ہی میں شاعر نے غنچہ کو انسان سے تشبیہ دی اور

غنچہ کو ذکر کیا اور انسان کو حذف کیا ہے تو استعارہ بکنایہ ہوا لیکن انسان کے لوازم میں سے دہن زبان اور سخنوری کو غنچہ میں ثابت کیا ہے یہ استعارہ تخییلیہ ہے اور انسان کے لیے زبان اور بولنا ایسے لوازم ہیں کہ بغیر ان کے انسان کا تصور نہیں ہو سکتا۔

(ج) یا وہ لوازم ایسے ہوں کہ نہ مشبہ کے ذات کے اجزا ہوں اور نہ اس کے کمال کا سبب ہوں بلکہ اس کے متعلقات ہوں۔

جیسے شعر :-

"صبا جو آئی خس و خاک گلستاں کیلئے
قفس میں کیونکہ نہ تڑپے دل آشیاں کیلیے"

یہاں شاعر نے ذہن ہی میں دل کو طائر سے تشبیہ دی ہے اور صرف دل کا ذکر کیا ہے تو استعارہ بکنایہ ہوا پھر اس نے طائر کے لوازم میں سے قفس تڑپنا۔ آشیانہ بیان کیا یہ استعارہ تخییلیہ ہے اور پرندہ کے لیے قفس وغیرہ لوازم مذکورہ نہ اس کی ذات کے اجزا ہیں نہ اس کے کمال کا سبب نہیں بلکہ اس کے متعلقات ہیں۔

مثال دیگر شعر :-

"چھپا تھا دام سخت قریب آشیانے کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے"

یہاں شاعر مشبہ ہے اور طائر مشبہ بہ ہے اور محذوف ہے تو استعارہ بکنایہ ہے اور طائر کے لوازم دام۔ آشیان۔ اڑنا۔ پھنسنا کا ذکر

استعارہ تخییلیہ ہے اور یہ تمام لوازم طائر کے متعلقات ہیں نہ کہ اس کی ذات کے اجزا اور نہ سبب کمال۔

اب استعارہ کے متعلق آخری دو ایک امور سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پچھلی تمام بحث پر مختصراً نظر ثانی کر لیجائے۔ (جزئیات اور اقسام سے یہاں بحث نہیں) یہیں سے سب کا فرق بھی بالمقابل ظاہر ہو جائیگا۔

تشبیہ	میرا محبوب آفتاب ہے	مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مذکور	اور دونوں الگ الگ مراد ہیں۔
استعارہ تصریحیہ	آفتاب آیا (مراد محبوب)	مشبہ محذوف۔ مشبہ بہ مذکور	مشبہ بہ کو عین مشبہ مانا ہے
استعارہ بکنایہ	پائے نگاہ	مشبہ مذکور۔ مشبہ بہ محذوف	نگاہ کو انسان سے تشبیہ دی ہے۔ انسان مشبہ بہ ہے۔
استعارہ تخییلیہ	پائے نگاہ	مشبہ اور لوازم مشبہ بہ مذکور	

تشبیہ سے یہ مراد تھی کہ طرفین تشبیہ کی ذاتیں الگ الگ متعین اور مراد ہیں اور دونوں مذکور ہوں [یا مذکور ہونے کے برابر سمجھے جائیں سوال کی صورت میں]

استعارہ کا مطلب یہ تھا کہ مشبہ بہ کے تمام اوصاف مشبہ بہ میں مستعار لیے جائیں۔ مشبہ کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی تھی اس لیے صرف مشبہ بہ کو تصریحاً ذکر کرتے تھے لہذا اس کو استعارہ تصریحیہ بھی کہتے ہیں۔

مگر استعارہ بکنایہ میں مشبہ بہ کی تصریح نہیں کی اس لیے اس کو استعارہ بکنایہ کہنے لگے۔ اگرچہ استعارہ تصریحیہ میں مشبہ محذوف ہوتا تھا۔

لیکن محقق ضرور ہوتا تھا خواہ حس میں دریافت ہوسکے خواہ عقل میں جیسے
آفتاب آیا میں محبوب مشبہ محذوف ہے اور محبوب میں حسن جہاں سوز
متحقق ہے بلحاظ عقل کے۔ ایسے استعارہ تصریحیہ کو تحقیقیہ بھی کہتے ہیں
لیکن ایک استعارہ تصریحیہ ایسا ہے کہ مشبہ مذکور ہو اور مشبہ بہ
کے صرف لوازم ہی مذکور ہوں جیسے "پائے نگاہ" میں پیر کا ثبوت نگاہ
(مشبہ) کے لیے اور "زبان خامہ" میں زبان کا ثبوت خامہ (مشبہ) کے
لیے اور چونکہ نگاہ میں پیر اور قلم میں زبان متحقق نہیں ہوسکتے اس لیے
وہم وتخیل نے اس کو مان لیا ہے پس اس کو استعارہ تخییلیہ کہتے ہیں۔
اس مجمل نظر ثانی کے بعد امید ہے کہ ایک دوسرے کا فرق اور
سب کی خصوصیتیں ذہن نشین ہوگئی ہوں گی۔ اب استعارہ تحقیقیہ کے
متعلق ایک بات بیان کرنی ہے۔

۱۔ بعض استعارے ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر استعارہ تخییلیہ کا بھی دھوکا
ہوتا ہے۔ جیسے:- شعر:-

"عشق نے جب سے گھر کیا دل میں   عقل کے واسطے جگہ نہ رہی"

اگر عشق کو انسان فرض کریں تو اس کے واسطے انسان کے لوازم گھر
کا ذکر استعارہ تخییلیہ ہے لیکن اگر اسی کو یوں دیکھیں کہ گھر کرنا دراصل
عشق کے قیام واستحکام کو کہا ہے تو یہی استعارہ تحقیقیہ (تبعیہ) ہوجائیگا
لفظ مستعار یہاں فعل واقع ہوا ہے۔ پھر استعارہ بکنایہ بھی یہاں باقی

نہ رہے گا کیونکہ تخییلیہ اور استعارہ بکنایہ دونوں لازم ملزوم تھے۔ جب استعارہ تخییلیہ نہ رہا تو استعارہ بکنایہ کیسے رہ سکتا ہے۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

"ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں ٭ موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہیں"

اگر یوں سمجھیں کہ موج کو انسان سے تشبیہ دے کر لوازم مشبہ بہ تھپیڑا (یعنی ہاتھ سے مارنا جیسے تھپیڑ) بیان کیا ہے تو یہ استعارہ تخییلیہ ہوا۔ لیکن اگر اسی پر اس طرح نظر ڈالیں کہ تھپیڑا کھانے سے مراد موجوں سے ٹکرانا ہے تو یہ استعارہ تبعیہ ہوگا کہ لفظ مستعار یہاں فعل واقع ہوا ہے۔ اور تبعیہ، تصریحیہ کی قسم ہے۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

"پی گئی کتنوں کا لہو تیری یاد ٭ غم ترا لاکھوں کلیجے کھا گیا"

یہاں اگر یہ سمجھیں کہ یاد کو حیوان سے تشبیہ دے کر لہو پینا اس کے لوازم میں سے ذکر کیا ہے تو یہ استعارہ تخییلیہ ہے اور اگر یوں دیکھیں کہ لہو پینا کہا ہے سخت رنج دینے کو تو یہی استعارہ تبعیہ تحقیقیہ ہے گویا استعارہ بکنایہ کے لیے قرینہ جو ہوتا ہے اس کو تخئیلیہ ہی ہونا چاہئے اور اگر اس کو تحقیقیہ مانتے ہیں تو پھر تخییلیہ تو غائب ہوتا ہی ہے۔ خود استعارہ بکنایہ بھی غائب ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر استعارہ تحقیقیہ کو بھی استعارہ بکنایہ کا قرینہ مان لیں اور یہ نہ سمجھیں کہ وہ

تبعیہ ہونے کی وجہ سے از سرِ نو کوئی دوسری تشبیہ ہے تو یہ ہو سکتا
ہے کہ استعارہ بکنایہ بھی باقی رہے اور استعارہ تحقیقیہ ہی اس کا قرینہ
بن جائے۔ جیسے یوں کہیں کہ "اس نے اپنا عہد توڑ دیا" یہاں عہد
کو رسی سے تشبیہ دی اور صرف مشبہ کا ذکر کیا یہ تو استعارہ بکنایہ ہوا
توڑ دینا سے مراد باطل ہونا ہے۔ اور باطل ہونا ایسا امر ہے جو عہد
و رسی دونوں میں پایا جاتا ہے۔ پس یہ استعارہ تبعیہ تحقیقیہ ہوگا۔ مگر
رسی تحقیقیہ کو ہم استعارہ بکنایہ کا قرینہ مانے لیتے ہیں۔ جو پہلے تخییلیہ کہا جاتا۔
مثال دیگر: شعر۔

"جوہر کو جوہری، اور صراف زر کو پرکھے
ایسا کوئی دکھا دو جو بشر کو پرکھے"

یہاں بشر کو سونے یا جوہر سے تشبیہ دے کر صرف مشبہ کا ذکر کیا
یہ تو استعارہ بکنایہ ہوا۔ لیکن بشر کو پرکھنے سے اس کا اچھا یا برا ہونا معلوم
کرنا ہے۔ اور اچھائی اور برائی معلوم کرنا۔ یہ زر و جواہر اور انسان دونوں
میں متحقق ہو سکتا ہے۔ پس گویا یہ استعارہ تبعیہ تحقیقیہ ہوا مگر استعارہ بکنایہ
کا قرینہ ہم اسی کو مانے لیتے ہیں۔

افادہ:۔ استعارہ تحقیقیہ ہی سے اکثر محاورے بنتے ہیں اور استعارہ تمثیلیہ
کا دوسرا نام مثل ہے اور ان دونوں کا استعمال بہت ہوتا ہے۔ استعارہ
تحقیقیہ اور تمثیلیہ میں حسب ذیل امور کے لحاظ سے خوبی پیدا

ہوتی ہے۔

۱۔ مقصود تشبیہ نہ ہو یعنی طرفین تشبیہ میں سے ایک کا کمزور اور دوسرے کا قوی ہونا نہ ہو بلکہ استعارہ مقصود ہو۔ یعنی مشبہ (مستعار لہ) کو عین مشبہ بہ (مستعار منہ) مان لیں۔

۲۔ وجہ جامع مبتذل نہ ہو۔

۳۔ وجہ شبہ طرفین کو شامل ہو اور بہت مخفی نہ ہو۔ ورنہ پھر وہ چیستان اور معمہ بن جائے گا کیونکہ استعارہ کہتے ہی اس کو ہیں کہ تشبیہ پر دلالت کرنے والا لفظ کوئی نہ ہو۔ تشبیہ کو چھپانا تو استعارہ کا اولین مقصد ہے پھر اگر استعارہ میں بھی اور خفا اور پوشیدگی رکھی جائے تو سمجھنا دشوار ہو جائے گا۔ جیسے کہیں "میں نے حمام میں شیر دیکھا" اور مراد ہو گندہ دہن شخص مثل شیر کے۔ پس لازم ہے کہ جہاں وجہ شبہ بہت مخفی ہو اُسے استعارہ کے طور پر استعمال نہ کریں بلکہ وہاں تشبیہ بیان کریں۔ مگر جب طرفین میں وجہ شبہ نہایت قوی ہے کہ دونوں برابر سمجھ میں آتے ہیں تو وہاں تشبیہ کے طور پر بیان کرنا مناسب نہیں۔ وہاں استعارہ درکار ہے۔ جیسے علم و نور۔

فصل سوم۔ مجاز مرسل

اگر لفظ اپنے اصلی معنوں میں نہیں مستعمل ہوا اور کوئی قرینہ موجود ہے۔

جس سے اصلی معنی مراد ہو ہی نہ سکیں۔ اور ان دونوں معنوں میں تشبیہ کے علاوہ اور قسم کے علاقے ہوں تو اس کو مجازِ مرسل کہتے ہیں۔ اصلی معنوں اور مرادی معنوں میں تشبیہ کے علاوہ جو علاقے ہو سکتے ہیں ان کو مجملاً ہم بیان کر چکے ہیں۔ تفصیل یہ ہے کہ ان کی سات قسمیں ہیں۔

۱۔ جزو اور کل کا علاقہ:۔ ایک لفظ جس سے کسی شئے کا کوئی جزو سمجھا جاوے اس کو بول کر کل مراد ہو جیسے "الحمد" کہیں اور پوری سورۃ مراد لیں۔ الحمد اور پوری سورہ میں جزو کل کی مناسبت ہے کبھی کل بول کر جزو مراد لیتے ہیں۔ جیسے کہیں کہ "زید انگلی میں سونے کی انگوٹھی پہنے ہے" انگوٹھی ایک پور میں پہنی جاتی ہے لہٰذا انگلی سے یہاں مراد ایک پور ہے۔ دونوں میں جزو کل کی مناسبت ہے۔

مثال دیگر:۔

"حکیم نے مریض کی نبض پر ہاتھ رکھا" ہاتھ سے مراد انگلیاں ہیں۔

۲۔ سبب اور نتیجہ کا تعلق:۔ یعنی کسی کام کا جو سبب ہے اس کو تو کہیں اور اس سے مسبب یعنی نتیجہ مراد لیں۔ جیسے کہیں کہ "فلاں کا کام میرے ہاتھ میں ہے" یہاں ہاتھ سے مراد اختیار ہے۔ اور دونوں میں سبب اور مسبب (نتیجہ) کا علاقہ ہے۔ کیونکہ اختیار و قابو کو ظاہر کرنے والے اکثر افعال ہاتھ ہی سے ہوتے ہیں مثلاً اس کے خلاف تجویز لکھنا

اس کو مارنا۔ پکڑنا۔ بنانا۔ بگاڑنا۔ وغیرہ۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

"عاشق ہے دل سراپاں تک تو جی سے سیر تھا
زندگی کا اس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا"

یہاں سیر ہونا کے معنی بیزار ہونا ہے اور سیری اور آسودگی سبب ہے جس سے بیزاری پیدا ہوتی ہے۔ پس سبب بول کر مسبب مراد ہے۔ کبھی اس کے برعکس یعنی مسبب (نتیجہ) بولتے ہیں اور سبب مراد لیتے ہیں جیسے۔ مصرع:۔

"گرم و سرد زمانہ سے ہوں تنگ"

گرم و سرد سے مراد انقلاب اور تغیر ہے اور تغیر کے سبب سے گرمی و سردی پیدا ہوتی ہے۔ پس مسبب (نتیجہ) گرم و سرد بولے اور تغیر و انقلاب جو سبب ہے وہ مراد ہے۔

مثال دیگر۔ مصرع:۔

"ہنر کا یہاں گرم بازار ہے"

یہاں بازار کے گرم ہونے سے مراد ترقی ہے اور ترقی کی وجہ سے گرم بازاری پیدا ہوتی ہے۔ پس یہاں گرم بازاری بولے اور سبب یعنی ترقی مراد لیا ہے۔

۳۔ ظرف اور مظروف کا لگاؤ۔ یعنی ظرف بولیں اور اس

ظرف کے اندر کی چیز مراد لیں جیسے کہیں " لوٹا لاؤ منہ ہاتھ دھو ڈالیں " یہاں لوٹے سے مراد وہ پانی ہے جو اس کے اندر ہے۔ یعنی ظرف بول کر مظروف مراد لیں۔

مثال دیگر:۔ ع

"پلا ساقیا! ساغر بے نظیر"

یہاں ساغر سے مراد شراب ہے جو ظرف کے اندر ہے۔ یا جیسے کہیں " نہر جاری ہے " یا " پرنالہ بہہ رہا ہے " نہر اور پرنالہ ظرف ہیں اس سے پانی مراد ہے۔

کبھی (مظروف) شئی بول کر اس کا ظرف (برتن) مراد ہوتا ہے جیسے :۔ ع :۔

"گہے بت خانہ پوجا گہہ کیا طوف حرم ہم نے"

یہاں ظرف بت خانہ سے مراد وہ بت ہے جو مظروف ہے یا جیسے کہیں " دودھ طاق پر رکھ دو " دودھ سے مراد دودھ کا برتن ہوتا ہے۔ تو گویا مظروف دودھ بول کر اس کا ظرف مراد ہے۔

۴۔ حال اور ماضی کا علاقہ:۔ کسی موجودہ چیز کا نام گذشتہ زمانہ کے اعتبار سے رکھتے ہیں جیسے :۔ ع :۔

"تو اس نا چیز مشت خاک کا پھر امتحاں کیوں ہو"

انسان موجودہ حالت میں پوست و گوشت سے مرکب ہے۔ لیکن

اس وجود سے قبل زمانہ ماضی میں وہ مشت خاک تھا۔ لہٰذا انسان کو مشت خاک کہنا مجاز مرسل ہے اور دونوں معنوں میں زمانہ موجودہ اور ماضی کا تعلق ہے۔

۵۔حال اور مستقبل کا تعلق:۔ کسی موجودہ چیز کو ایسے نام سے پکاریں جو آیندہ اس پر صادق آئے گا۔ جیسے "کسی طالب علم کو مولوی کہیں اس اعتبار سے کہ وہ پڑھ کر آیندہ مولوی بنے گا۔ یہ مجاز مرسل ہے۔

مثال دیگر:۔ شعر:۔

"اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار میں پابرکاب اور ہو تم صاحب آزار"

چونکہ تھوڑی دیر بعد سفر کا ارادہ تھا اس لیے اپنے آپ کو پابرکاب کہا ہے۔

۶۔اصل شئ اور آلہ کا تعلق:۔ کسی شئ کا کوئی آلہ اور واسطہ بیان کیا جائے اور اس سے خود وہی چیز مراد ہو جیسے۔

شعر:۔

"رزق مل جائے گا اے سائل یہ بیجا ہے سوال

دیکھ لے بے شیر طفل بے زباں رہتا نہیں"

یہاں بے زباں سے مطلب و مراد وہ شخص ہے جو بات نہ کر سکے نہ کہ وہ جس کے زبان ہی نہ ہو۔ بچے کی زبان ہوتی ہے مگر وہ

بول نہیں سکتا۔

۷۔ **مقید اور مطلق کا لگاؤ:۔** جو لفظ کسی متعین۔ خاص اور مقید شئے کے لیے ہو اس کو بول کر اس سے کوئی عام اور مطلق شئے مراد لیں جیسے: شعر:۔

"نگاہ ناز میں رحم اور قتل دونوں تھے
شہید اس کا جیا گر نہیں مرا بھی نہیں"

نگاہ کے زخمی کو مقتول کہتے جو عام لفظ تھا مگر اس کے لیے شہید کا لفظ بولے جو مقتولین کی ایک خاص اور مقید قسم ہے۔ یہ مجاز مرسل ہے۔

مثال دیگر: مصرع:۔

"حرف مطلب زبان پر آیا"

حرف ایک محدود اور مقید شئے ہے یہاں اس سے مراد کلمہ مطلب ہے جو مطلق ہے۔

کبھی مطلق شئے کا لفظ کسی مقید شئے کے لیے استعمال کریں جیسے "کاغذ" کہیں جو عام شئے کا نام اور اس سے خط مراد ہو۔ جو مقید شئے ہے
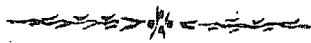
فصل چہارم۔ کنایہ

کنایہ کہتے ہیں مبہم بات کو۔ علم بیان میں یہ بھی مجاز کی ایک قسم ہے اور اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ لفظ جس سے غیر حقیقی معنی مراد ہوں اور اگر اصلی معنی بھی مراد لینا چاہیں تو مراد ہوسکیں جیسے آنسو کو آنکھ کا پانی کہیں۔ آنسو آنکھ کا پانی بھی ہوتا ہے۔ مثال دیگر شعر:۔

"اس چمن میں طائر کم پر اگر میں ہوں تو کیا
دور ہے صیاد ابھی اور آشیاں نزدیک ہے"

کم پر سے مراد کم اڑسکنے والا لیکن اگر پروں کی مقدار کا کم ہونا مراد لیں تو یہ بھی جائز ہوسکتا ہے۔

کنایہ اور مجاز کا فرق:۔ (۱) کنایہ میں اصلی معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں۔ مجاز میں صرف معنی غیر حقیقی مراد ہوتے ہیں اور اصلی معنی مراد ہو ہی نہیں سکتے۔

(۲) کنایہ میں اصلی معنی اور لازم معنی میں کوئی قرینہ نہیں ہوتا مگر مجاز میں دونوں معنوں میں قرینہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ کنایہ تین طرح کا ہوتا ہے۔

۱۔ **کنایہ سے موصوف کی ذات مطلوب ہو**۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

کنایہ قریب — (الف) اگر کسی خاص موصوف کی صفت کو بول کر اس سے موصوف مراد ہو تو اس کو کنایہ قریب کہتے ہیں جیسے ع:۔

"دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور"

ارنی گوئے اوج طور کنایہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے۔
مثال دیگر: شعر:۔
"مرغان اولی اجنحہ مانند کبوتر کرتے ہیں سدا عجز سے غوں غوں ترے آگے"
مرغان اولی اجنحہ کنایہ ہے فرشتوں سے۔
مثال دیگر: ع:۔
"شکل فوارہ اگلتی ہے زمیں گنج نہاں"
یہاں گنج بول کر پیداوار سے کنایہ کیا ہے۔
مثال دیگر: شعر:۔
"آئینہ کو دیکھ جب وہ زلف سلجھانے لگے ہند کے کالے حلب میں جا کے لہرانے لگے"
کالا کنایہ ہے زلف سے۔ اسی طرح شاہ خاور شاہ مشرق۔ خسرو انجم۔ کہکر سورج سے کنایہ کرتے ہیں۔ حاصل بحر و کان کہکر موتی سے کنایہ کرتے ہیں۔ آب آتشیں کہکر شراب سے۔ جلاد فلک۔ ترک چرخ کہکر مریخ سے۔ لولی فلک کہکر زہرہ سے۔ دوش محمد کے مکیں کہکر حضرت امام حسین سے کنایہ کرتے ہیں۔
کنایہ بعید (ب) کئی صفتوں کے مجموعہ سے ایک موصوف مراد ہو اس کو کنایہ بعید کہتے ہیں جیسے۔ شعر:۔
"ساقی وہ دے ہیں کہ ہو جس کے سبب بہم
محفل میں آب و آتش و خورشید ایک جا"

یہاں آب و آتش و خورشید ایک جا سے مراد صرف شراب ہے اگرچہ آب سے الگ کوئی اور چیز بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اسی طرح آتش و خورشید سے الگ الگ اور چیزیں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔ مگر ایک ہی شئی آب بھی ہو آتش بھی ہو خورشید بھی ہو وہ سوائے شراب کے اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

"صبح آیا جانب مشرق نظر — اک نگار آتشیں رُخ سر کھلا"

نگار ہونا۔ آتشیں رُخ ہونا اور سر کھلا ان صفات کو ایک جگہ دیکھنا چاہیں تو اس سے سورج مراد ہے۔ کیونکہ وہ خوبصورت بھی ہے۔ اس میں گرمی بھی ہے۔ سُرخی بھی اور وہ کھلا ہوا بھی ہے۔

۲۔ کنایہ سے صفت مقصود ہو:۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ ایما و اشارہ | وہ کنایہ ہے کہ صفت مقصودہ جلد بلا تامل سمجھ میں آجاوے اور لازم بول کر ملزوم مراد لیں اور طرفین کنایہ میں کوئی درمیانی واسطہ نہ ہو بلکہ ایک دوسرے سے قریب ہوں۔

شعر:۔

"کیا ہم نے لے لیا تھا اُلجھتا جو کوئی خار
جوں گل ہم اس جہان سے دامن کشاں چلے"

دامن کشاں سے "بچتے ہوئے گذرنا" سمجھ میں آتا ہے۔ کسی درمیانی

کیفیت اور واسطہ کی ضرورت نہیں۔
مثال دیگر : ع :۔
"ہر اک نے کسا قتل محمدؐ پہ کمر کو"
یہاں کمر کسنا کنایہ ہے آمادگی سے۔
مثال دیگر : ع :۔
"دامن سنبھال۔ باندھ کمر۔ آستین چڑھا"
ان تینوں الفاظ سے آمادہ اور مستعد ہونا مراد ہے۔
اسی طرح چین بہ ابرو ہونا کنایہ ہے غصّہ اور ناخوشی سے سفیدرو ہونا کنایہ ہے کبھی شرمندگی سے کبھی خوش رہنے سے۔ سرخروئی کنایہ ہے عزّت پانے سے۔ عمر کا پیمانہ لبریز ہونا کنایہ ہے موت کے قریب ہونے سے۔ صبر کا پیمانہ لبریز ہونا کنایہ ہے خفگی کے قریب ہونے سے۔ سر جھکانا کنایہ ہے عاجزی اور شرمندگی سے۔ سفید چشم ہونا کنایہ ہے اندھے اور بےحیا ہونے سے۔ زرد ہونا کنایہ ہے شرمندہ اور خوفزدہ ہونے سے۔ آنکھوں میں خون اُترنا کنایہ ہے غصّہ ہونے سے۔ گھٹی میں پڑنا کنایہ ہے۔ ابتدائے عمر سے کسی کام کو کرتے رہنے سے۔
۲۔ رمز | وہ کنایہ ہے کہ لازم بول کر اس کی ملزوم صفت مقصودہ ذرا دیر میں تامل اور غور کے بعد معلوم ہو اور طرفین کنایہ میں دو ایک واسطے بھی ہوں۔ جیسے لمبے قدوالا کہیں اور کنایہ کریں احمق سے اور کوتاہ گردن

کہہ کر کنایہ کریں شریر اور مفسد سے یا فرش کو چیں بہ جبیں کہنا کنایہ ہے
فرش پر سلوٹ اور شکن پڑ جانے سے۔

مثال دیگر: ع:

"ہمارے جامۂ کہنہ سے مے کی بو نہ گئی"

پُرانے لباس سے بھی شراب کی بو نہ جانا کنایہ ہے بڑھاپے تک شراب
پیتے رہنے سے۔

مثال دیگر: شعر:

"ہونٹوں پہ تھے دانت سر پہ تھے ہاتھ سر سے جو ہٹے جگر پہ تھے ہاتھ"

ہونٹوں کا دانت سے دبانا اور سر اور جگر پہ ہاتھ رکھنا کنایہ ہے
بےحد رنجیدہ ہونے سے۔

۳۔ تلویح | وہ کنایہ ہے کہ لازم سے ملزوم مراد لینے تک کئی واسطہ ہوں
اور لفظ سے درجہ بدرجہ کئی چیزیں اور پھر آخر درجہ کی چیز سمجھ میں
آجائے جو مقصود ہے۔ جیسے ہم یوں کہیں "سلطان نظام اولیا کے
گھر سے روزانہ کئی ٹوکرے پیاز کے چھلکے پھینکے جاتے تھے" بہت سا
پیاز کا چھلکا پھینکے جانے سے پہلی بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے ہاں
پیاز بہت خرچ ہوتی تھی۔ پھر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پیاز کھانے میں
خرچ ہوتی تھی پھر یہ کہ کھانا بہت پکتا تھا۔ پھر یہ کہ آدمی کھانیوالے
بہت ہوتے تھے پھر یہ کہ ان کے ہاں مہمان بہت آتے تھے۔ اور آخر

میں یہ کہ وہ بہت سخی تھے۔

مثال دیگر:- شعر:-

"کیا ہو بیان داد و دہش ایسے شخص کا
بندھواتا ہے جو توڑوں کا منہ کچے سوت سے"

تھیلیوں کا منہ کچے سوت سے بندھوانا کنایہ ہے سخاوت سے دونوں کے درمیان کئی واسطے اور کئی درجے ہیں یعنی پہلے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ تھیلیوں کا منہ مضبوطی سے بندھا نہیں پھر یہ کہ اس کے بچانے کا زیادہ اہتمام نہیں۔ پھر یہ کہ اُس کے کھلنے میں آسانی ہوتی ہے پھر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ شخص بخشنے کے لیے یہ کرتا ہے پھر آخر میں مطلب یہ نکلتا ہے کہ وہ سخی ہے۔

مثال دیگر:- شعر:-

"بند اس قفل میں ہے علم اُن کا جس کی کنجی کا کچھ نہیں ہے پتا"

گم شدہ کنجی کے قفل میں علم کا بند ہونا کنایہ ہے اس امر سے کہ اُن کے علم سے کچھ فائدہ نہیں پہونچتا۔ یہاں علم کے قفل کی کنجی کے گم ہو جانے سے ذہن پہلے اس طرف جاتا ہے کہ وہ قفل نہیں کھل سکتا پھر اس طرف کہ اس علم تک جو اس میں مقفل ہے رسائی ممکن نہیں پھر آخر میں اس طرف کہ اس کا علم بیکار ہے اور غیر مفید۔

۳۔ کنایہ سے موصوف کیساتھ ساتھ صفت بھی مقصود ہو کبھی

موصوف کے لیے صفت کا اثبات مقصود ہوتا ہے۔ اور کبھی موصوف سے صفت کی نفی مقصود ہوتی ہے دونوں کی مثالیں ذیل میں درج ہیں

اثبات کی مثال جیسے شعر:-

"عشق کے ہیں مقام سخت کڑے   تجھ کو بھرنے پڑیں گے کچے گھڑے"

کچے گھڑے بھرنا کنایہ ہے محال کام کرنے سے کیونکہ کچے گھڑے میں پانی ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ یہاں محال کام کرنا اور اس کا اثبات مقصود ہے۔ اور عشق موصوف ہے اور محال کام کرنا صفت ہے۔ اور دونوں کا قصد ہے۔

مثال دیگر شعر:-

"مت مانیو کہ ہوگا یہ بیدرد اہل دین   گر آئے شیخ پہن کے جامہ قرآن کا"

یہاں قرآن کا جامہ پہن کر آنا کنایہ ہے بزرگ ہونے اور برائیوں سے پاک ہونے سے۔

نفی کی مثال جیسے شعر:-

"مت عیب کیجیے بیاں اپنے کیا کیا   کہ بگڑا ہوا یاں ہے آوے کا آوا"

آوے کا آوا بگڑنے سے مراد سب سے خوبی کی نفی ہے۔ یعنی کسی میں خوبی اور درستی نہیں اور یہاں خوبی کا نہ ہونا بھی مراد ہے اور ذاتیں بھی مقصود ہیں۔

مثال دیگر :- مصرع :-

"ہیں سب ننگے جو اس حمام میں ہیں"

یہاں حمام میں ننگا ہونا کنایہ ہے اس امر سے کہ کسی میں تہذیب اور شائستگی نہیں ہے۔

تعریض | لیکن کنایہ کی ایک قسم اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر کنایہ میں موصوف مذکور نہ ہو تو اس کو تعریض کہتے ہیں جیسے کوئی شخص عالم ہو اور اس پر عمل نہ کرتا ہو۔ اس کے لیے ہم یوں کہیں "عالم وہ ہے جو علم پہ عمل کرے" اور ہماری مراد وہ شخص ہے جو علم پڑھے ہوئے ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا۔

مثال دیگر شعر :-

"وہ ظلم کرتے ہیں ہم پر تو لوگ کہتے ہیں
خدا بُروں سے نہ ڈالے معاملہ دل کا"

دوسرے مصرعہ میں تعریض ہے یعنی لوگ ہمارے محبوب کو بُرا سمجھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ ایسے بُروں سے خدا نہ کرے کہ کبھی پالا پڑے۔

مثال دیگر "جیسے ہم کسی سخت مزاج مگر کم حیثیت شخص کے لیے یوں کہیں "کہ خدا گنجے کو ناخن نہیں دیتا" مطلب یہ ہے کہ ایسے سخت مزاج کو خدا نہ کرے کہ بڑا عہدہ ملے اور وہ سب کو ستا سکے۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

"میں ہی تو رہا ہوں کہیں شب کو خوش و خرم میں نے ہی تو کی بادہ کشی غیروں سے باہم"
میری ہی نظر سے ہے عیاں نیند کا عالم آتی ہے جمائی پہ جمائی مجھے ہر دم

ان اشعار میں موصوف کا ذکر نہیں اور شاعر بطور طنز اور تعریض کے برابر اپنی ذات کا ذکر کرتا ہے۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

"وہ حسن کی دنیا ہے جلجاؤ کہ مر جاؤ واں کس کو ہے پروائے بربادی پروانہ"

حسن کی دنیا سے مراد محبوب ہے اور دوسرے مصرعہ میں کس کو سے مراد بھی محبوب ہے مگر اس کا ذکر نہیں ہے۔

افادہ:۔ یہ امر مسلم ہے کہ مجاز حقیقت سے اور کنایہ تصریح سے بلیغ ہے اور استعارہ تشبیہ سے قوی ہے اس وجہ سے کہ مجاز (اور کنایہ) میں ملزوم بولتے ہیں اور لازم مراد لیتے ہیں اسی طرح استعارہ میں مشبہ کو بعینہ مشبہ بہ مان لیتے ہیں اور وصف یا وجہ شبہ جو مشبہ بہ میں زیادہ کامل ہوتی ہے اس کے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں گویا یہ تمام مشبہ کی ذات میں موجود ہے۔

چنانچہ یہ کہنا کہ "میں نے محبوب کو دیکھا" اتنا مقبول نہیں جتنا یہ کہ "میں نے چاند کو دیکھا" (اور مراد اس سے محبوب ہو)

باب دوم۔ علم بدیع

علم بدیع وہ علم ہے جس سے کلام کی خوبیاں پہچانی جاتی ہیں۔
لیکن یاد رکھو کہ کلام میں خوبیاں ضروری اور لازم نہیں بلکہ محض حسن کلام کے لیے ان کو لاتے ہیں۔ ان کو صنائع بدائع بھی کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ صنائع لفظی۔ وہ خوبیاں اور وہ محاسن جو لفظوں میں پیدا کی جائیں۔

۲۔ صنائع معنوی۔ وہ خوبیاں جو دراصل معنی میں پیدا کی جائیں اگرچہ بعض وقت لفظ میں بھی اُن سے حُسن پیدا ہو جائے۔ ہم پہلے صنائع لفظی کا ذکر کرتے ہیں۔

فصل اوّل۔ صنائع لفظی

۱۔ صنعت تجنیس | یہ ہے کہ دو لفظ جن کا مفہوم جداگانہ ہو، تلفظ اور تحریر میں مشابہ ہوں اس کی نو قسمیں ہیں۔

الف۔ تجنیس تام۔ وہ ہے کہ دو لفظوں کے حروف نوع میں، تعداد میں، ترتیب میں اور حرکت اور سکون میں یکساں ہوں۔ اس کی

دو قسمیں ہیں۔ تجنیس تام مماثل۔ تجنیس تام مستوفی۔

تجنیس تام مماثل۔ وہ ہے کہ دونوں لفظ اسم ہوں یا دونوں فعل یا دونوں حرف ہوں چنانچہ اسم جیسے کَل = بمعنی آرام یا پینچ اور کَل بمعنی گزرا ہوا دن۔ یا آہنگ بمعنی آواز اور آہنگ بمعنی ارادہ۔ یا نوا بمعنی آواز۔ اور نوا بمعنی سامان۔ اسباب۔

مثال دیگر = شعر:-

ترے کنٹھوں کا کہوں کیا اسے زیبا گوہر
ماہ گہنے کے لیے ہے نہ کہ گہنے کے لیے

پہلا گہنا بمعنی چاند گہن ہے اور دوسرا بمعنی زیور۔

فعل جیسے = شعر:-

"بزم سلطانی ہوئی آراستہ
کعبۂ امن و اماں کا در کھلا"

تاج زریں مہر تاباں سے سوا
خسرو آفاق کے منہ پر کھلا

یہاں پہلے کھلا کے معنی کھلنے اور وا شدن کے ہیں اور دوسرے کھلا کے معنی زیبا دینے کے ہیں۔

حرف جیسے سے بمعنی ابتدا اور سے بمعنی مثل۔ شعر:-

قسمت نے زلیخا سے چھڑایا
یوسف سے عزیز کو جہاں میں

تجنیس تام مستوفی۔ یہ ہے کہ دونوں لفظ ایک قسم کے نہ ہوں یعنی ایک اسم ہو تو دوسرا فعل یا حرف۔

اسم و فعل۔ جیسے شعر:-

کہا دل نے مرے، دیکھی جو وہ مانگ کہ ہے یہ رات آدھی کچھ دعا مانگ

پہلا لفظ اسم ہے بمعنی فرقِ سر اور دوسرا لفظ فعل امر ہے مانگنا سے۔

شعر دیگر:-

یک بیک گھبرا کے وہ اٹھا پکار مار تیرے ہاتھ میں ہے اس کو مار

پہلا مار اسم ہے بمعنی سانپ دوسرا فعل امر ہے مارنا سے۔

اسی طرح گلا بمعنی حلق اور گلا فعل ماضی گلنا سے، ترسا اسم بمعنی عیسائی اور ترسا فعل ماضی ترسنا سے۔ دیا اسم بمعنی چراغ اور دیا فعل ماضی دینا سے۔ لڑائی اسم بمعنی جنگ اور لڑائی فعل ماضی مونث لڑانا سے۔ ڈالی اسم بمعنی شاخ اور ڈالی فعل ماضی ڈالنا سے۔

اسم و حرف جیسے شعر:-

لازم ہے رحم بلبلِ شیدا کی جان پر فصل بہار ہے نہ کتر باغباں پر

پہلا پر حرف ہے اور دوسرا پر اسم ہے۔

فعل اور حرف جیسے شعر:-

کیا کیا خضر نے سکندر سے اب کسے رہنما کرے کوئی؟

یہاں پہلا کیا حرف استفہام ہے اور دوسرا کیا فعل ماضی ہے کرنا سے۔

ب- تجنیس مرکب۔ یہ ہے کہ طرفین تجنیس میں سے ایک لفظ

مفرد ہو اور دوسرا لفظ دو لفظوں سے مل کر بنا ہو - یہ دو طرح
کی ہوتی ہے -

تجنیس مرکب متشابہ - دونوں لفظ لکھنے میں موافق اور یکساں
ہوں جیسے لڑکے مفرد بمعنی طفل اور لڑکے مرکب بمعنی جنگ کرکے

شعر :-

قاتل نے لگایا نہ مرے زخم پہ مرہم   حسرت یہ رہی جی ہی کی جی میں گئے مرہم

پہلا مرہم مفرد ہے بمعنی دوا اور دوسرا مرہم مرکب ہے بمعنی
ہم مر گئے -

تجنیس مرکب مفروق - دونوں لفظ لکھنے میں موافق نہ ہوں
جیسے کلپانا مفرد بمعنی تڑپانا ستانا اور کل پانا مرکب بمعنی آرام پانا -

شعر دیگر :-

کچھ ہم کو نظر یار کا دل آتا ہے میلا   ساقی تو صفائی کیلئے شیشۂ مے لا

پہلا میلا مفرد بمعنی غبار آلود اور ناصاف اور دوسرا مرکب
بمعنی شراب لے آ -

شعر دیگر :-

کہا جی نے مجھے یہ ہجر کی رات   یقیں ہے صبح تک دیگی نہ جینے

پہلا لفظ جی نے مرکب بمعنی دل نے اور دوسرا جینے مفرد
بمعنی زندہ رہنے -

ج۔ تجنیس مرفو۔ وہ ہے کہ دو لفظوں میں سے ایک لفظ مفرد ہو اور دوسرا لفظ کسی اور لفظ کے ایک آدھ حرف سے ملکر پہلے لفظ سے مجانست پیدا کرے [اس میں اور تجنیس مرکب مفروق میں فرق یہ ہے کہ تجنیس مفروق میں دوسرا لفظ پورے دو لفظوں سے مرکب ہوتا ہے۔ اور تجنیس مرفو میں دوسرا لفظ کسی اور لفظ کے جزو (گویا ڈیڑھ لفظ) سے مرکب ہوتا ہے] جیسے قدم اور برق دم میں قدم مفرد ہے اور دوسرے لفظ میں دم کے ساتھ برق کا قاف مل کر مشابہت پیدا کرتا ہے۔

مثال دیگر۔ شعر:۔

پروانہ ہیں تمہارے رخِ شمع ساں کے ہم　　پروا نہیں ہے جان کے جانے کی بھی ہمیں

اس میں پروانہ لفظ مفرد ہے اور پروا کا لفظ نہیں کے نون سے مل کر (ڈیڑھ لفظوں سے مل کر) پروانہ سے مشابہ ہے۔

د۔ تجنیس خطی۔ وہ ہے جس میں طرفین تجنیس کے حروف میں نقطوں کا فرق ہو جیسے خط اور حظ۔ عرق اور غرق مسکیں اور مشکیں۔ زر (سونا) رز (انگور) ڈر اور ڈہ۔ بوتا (طاقت) بوٹا (پودا) عشرت اور عسرت۔ تال اور ٹال۔

شعر:۔

کہو تو کس سے میں پوچھوں نشانِ خانۂ دوست
کہ آشیانۂ عنقا ہے آستانۂ دوست

مثال دیگر : جیسے :-

"شیخ اور بذلہ سنج شوخ مزاج"

۷- تجنیس محرّف :- وہ ہے کہ طرفین تجنیس میں حرکات کا فرق ہو یعنی ایک میں زبر ہو تو دوسرے میں زیر یا پیش جیسے گلا بمعنی حلق اور گِلا بمعنی شکوہ۔ بَندہ اور بُندہ۔ سَن (سال) سِن (عمر) سُن (سنو)

شعر :-

یہ بھی نہ پوچھا کبھی صیّاد نے کون رہا کون رہا ہو گیا

شعر دیگر :-

مشکیں زلفوں سے مشکیں کسواؤ کالے ناگوں سے مجھ کو ڈسواؤ

۸- تجنیس مذیّل :- وہ ہے جس میں ایک لفظ کے آخر میں دوسرے لفظ سے دو یا تین حرف زیادہ ہوں۔ جیسے شب اور شبنم یا شبنم اور شبنمستان۔ مانگ اور مانگنا۔ سام اور سامنے۔ ترس اور ترسائی۔

شعر :-

محفل میں شور قلقلِ مینا و مُل ہوا لا ساقیا شراب کہ توبہ کا قُل ہوا

۹- تجنیس ناقص و زائد :- وہ ہے کہ ایک لفظ میں دوسرے لفظ سے ایک حرف زاید ہو۔ خواہ شروع میں زائد ہو جیسے راحت اور جراحت بات اور نبات (شکر) کوہ اور شکوہ میں خواہ بیچ میں زائد ہو جیسے بَل اور بال۔ جَم اور جام۔ رم (بھاگنا) اور رام میں خواہ آخر میں

زائد ہو جیسے پیماں اور پیمانہ - عارض اور عارضی -

شعر :-

گلہ بانی کے لیے پایا جو ایمائے شعیب بکریاں اُس نے چرانے میں نہ سمجھا کچھ عیب

شعر ۲ :-

ٹپکا کے زخم ہجر پہ اے تُرک کیا کریں خالی ہیں تیل سے ترے چہرے کے تل تمام

شعر ۳ :-

اس نام کے اس لقب کے صدقے اس نامہ کے اس طلب کے صدقے

ح - تجنیس مطرّف - یعنی جس میں طرفین تجنیس میں حرکتوں کے فرق کے ساتھ بیچ میں ایک حرف زائد بھی ہو [گویا تجنیس محرّف اور تجنیس ناقص وزائد کا مجموعہ] جیسے چیں سے چنیں - سراب سے سیراب - خال سے خیال -

شعر :-

کیا ہی ریاضت میں وہ تھا لے رہا جسم ہوا گھُل کے نئے بوریا

ط - تجنیس مضارع - وہ ہے کہ طرفین تجنیس میں صرف ایک حرف مختلف ہو اور وہ دونوں حروف ہم آواز یا قریب آواز والے بھی ہوں جیسے لال اور لعل - مار اور مال - برسوں اور پرسوں - صلاح اور سلاح عمل اور امل - سینا اور سینہ -

شعر :-

"بہر گہر طلسم اخلاص ہے تجر طلسم میں خامۂ غواص"

ی۔ تجنیس لاحق۔ وہ ہے کہ طرفین کا ایک حرف بالکل مختلف ہو جیسے نامہ اور خامہ۔ سنگ اور جنگ۔ رنگ اور ڈھنگ۔ روم اور رام۔ شاہ اور شاد۔ نرم۔ گرم

شعر:-

تو نے کیا ہے کیا اسے شوقِ فراواں کردیا پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کردیا

شعر دیگر:-

ہر گام پر جو پھانس لیا مرغ دل مرا کیا چال، چال ہے بُتِ محشر خرام کی

افادہ:- تجنیس کی نو قسمیں تھیں جن کا بیان گذر چکا۔ کبھی یہی قسمیں مکرر آجاتی ہیں اس لیے اس کو تجنیس مکرر کہتے ہیں۔ اور تجنیس مکرر ہر قسم کی تجنیس میں ہو سکتی ہے اس صورت میں اس کا نام مثلاً تجنیس تام مکرر اور تجنیس مضارع مکرر وغیرہ ہوگا ان کی مثالیں دینے کی چنداں ضرورت نہیں۔

۲۔ صنعت اشتقاق | یہ ہے کہ کلام میں ایک مادہ کے چند الفاظ لانا۔ یعنی مادہ کے تمام حروف ان میں مشترک ہوں اور ایک ہی مفہوم ادا کریں جیسے دیکھنا سے دیکھ۔ دکھاتا ہے۔ دیکھتا ہے وغیرہ

شعر:-

اے بخت جاگ اور جگا ہمکو کہ پھر ہم جاگیں گے نہ تا حشر جگانے سے کسی کے

شعر دیگر:۔

اسے میں چھپ کے دیکھوں پر بلا وہ غیر کو دیکھے
بھلا یوں دیکھنا دیکھو تو دیکھا جائے ہے کس سے

۳۔ صنعت شبہ اشتقاق | یہ ہے کہ کلام میں دو لفظ باہم مشابہ ہوں مگر معنی مختلف ہوں۔ یعنی ظاہر میں ایک ہی مادّہ سے بنے ہوئے ہوں مگر دراصل مادّہ اور معنی جداگانہ ہوں جیسے شام وشوم۔ دود اور دید۔

شعر:۔

جو پرانوں میں کتھائیں ہیں پرانی سب ہیں
وید کے نشتر سے کم ان کا نہیں جاہ ووقار

مثال دیگر:۔ مصرع:۔

"دن جو ڈھلتا ہے تو حضرت ہوئے جاتے ہیں نڈھال"

۴۔ صنعت قلب | وہ ہے کہ دو لفظوں کے حروف تو ایک ہی ہوں مگر ترتیب حروف دونوں میں جداگانہ ہو [یہ تجنیس کے مقابل کی صنعت ہے تجنیس میں ترتیب حروف بھی یکساں ہوتی ہے اس میں جداگانہ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بعض لوگ اسے تجنیس کی قسم سمجھتے ہیں] اس کی کئی قسمیں ہیں۔

۱۔ قلب کل۔ اگر ایک لفظ کے حروف ترتیب وار الٹنے سے دوسرا لفظ بن جائے تو اس کو قلب کل کہتے ہیں جیسے مار اور رام۔ خاک اور کاخ۔ کان وناک شرع اور شعر اور عرش وغیرہ ان الفاظ میں صنعت قلب کل ہے۔

شعر:-

وصف اس صرصر شیم کا کوئی لکھے یا پڑھے ذہن دوڑے صورت رفرف۔ زباں فرفر چلے

شعر دیگر:-

رات بھر مجھ کو غم یار نے سونے نہ دیا صبح کو خوف شب تار نے سونے نہ دیا

شعر دیگر:-

جو لکھا ہے اُس نے خط پر کہ خط آشنا کو پہونچے تو لکھا ہے اُس نے آشنا یہ تراہی نام اُلٹا

ب۔ قلب بعض۔ وہ ہے کہ دونوں لفظوں کے حروف کی ترتیب میں فرق ہو اس لیے ایک لفظ کے حروف کو ترتیب وار اُلٹنے سے دوسرا لفظ نہ بن سکے۔ جیسے محروم اور مرحوم۔ ربیع اور عربی۔ فریق اور رفیق۔

شعر:-

اُٹھ گیا پاس اب قرابت کا ؛؛ رشتہ پیدا ہوا رقابت کا ؛؛

ج۔ قلب مکرر۔ وہ ہے کہ یہی قلب کل یا قلب بعض کے الفاظ پاس پاس آجائیں جیسے قلب بعض جیسے۔ شعر:-

وہ تیرا دور ہے علم و عمل سے شاد رہتے ہیں۔
فقیہ و مفتی و صوفی و شیخ و حافظ و قاری

قلب کل جیسے شعر:-

صدمۂ فرقت سے تھی اس حور کے بیتاب روح آنسوؤں کا آنکھ سے اکدم نہ ٹوٹا تار رات

د۔ قلب مستوی۔ وہ ہے کہ کسی لفظ یا پوری عبارت کے اُلٹنے سے پھر وہی لفظ یا عبارت بن جائے۔ چنانچہ لفظ کی مثال جیسے باب۔ بےعیب۔ نادان۔ شاباش۔ کبک۔ لعل۔ لال۔ گنگ۔ سیم (انگریزن) مُہم۔ قُرق۔ تخت۔ داد۔ قلق۔ نان۔ درد۔ کمک۔ داماد۔ نالاں۔ نازاں۔ فقرہ۔ جیسے "تم آنا جانا مت"

مثال دیگر = ع :-

"اشک ہر گاہ رکا خاک رہا گرہ کشا"

ہ۔ قلب مجنّح۔ یہ ہے کہ شعر یا جملہ کے اوّل میں جو لفظ ہے اُسی کا مقلوب مستوی لفظ جملہ یا شعر کے آخر میں بھی ہو جیسے۔

شعر:-

رام ہوتا نہیں فسوں سے بھی ہے وہ کافر تمھاری زلف کا مار

۵۔ صنعت ردّ آخر بر سابق | اس کو قواعد میں "ردالعجز علی الصدر" کہا گیا ہے ہم اس کا ثقل دور کرنے کے لیے اور فن عروض کی اصلاحوں سے بچنے کے لیے اس کا نام "ردّ آخر بر سابق" رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شعر یا جملہ میں ایک لفظ (ابتدا یا وسط میں) کہیں بولا گیا ہو اُسی کو بالکل آخر میں بھی لائیں۔ لیکن آخر اور سابق کے دونوں لفظ کی یکسانی ممکن ہے کہ تکرار کی ہو اور ممکن ہے کہ تجنیس تام وغیرہ کی یا اشتقاق اور شبہ اشتقاق کی اور پھر سابق کا لفظ ابتدا میں ہو یا وسط میں اس لیے اس کی

صورتیں کئی ہو سکتی ہیں۔ ہم بھی اس کی متعدد مثالیں دیتے ہیں تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

شعر ۱:-

بال کھولے کیا تماشا کر گیا ہو گیا عشاق پر جینا وبال

شعر ۲:-

مرو تم پری پر وہ تم پر مرے بس اب تم ذرا مجھ سے بیٹھو پرے

شعر ۳:-

ہمارے سامنے مت ابر بار بار برس جو ہم سے ہو سکے تجھ سے نہ ہو ہزار برس

شعر ۴:-

خواصوں نے گھر کو دیا انتظام تمامی کے پرزے لگائے تمام

یہ چاروں مثالیں ردّ آخر بر سابق کی ہیں مع اقسام تجنیس کے = ان میں "سابق" کا لفظ کہیں بالکل شروع میں آیا کہیں وسط میں۔

شعر ۵:-

خط نامہ بر کو پھیر دیا اور یہ کہا کہنا کہ ہم نے جان لیا مدعائے خط

شعر ۶:-

وصل میں تھا صبح سے بیزار میں ہجر کی شب مجھ سے ہے بیزار صبح

شعر ۷:-

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیئے مسکرا کے ہاتھ

شعر ۸:-

وہ بھی دن ہو کہ اس ستمگر سے	ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز

ان مثالوں میں ردّ آخر بر سابق مع تکرار ہے اور لفظ "سابق" مختلف مواقع پر آیا ہے کہیں ابتدا میں کہیں وسط میں۔

شعر ۹:-

بھیجنا خط کا کیا اُس بُت نے ترک	اب خدایا موت کا پیغام بھیج

شعر ۱۰:-

ہم پکاریں اور کھلے، یوں کون جائے	یار کا دروازہ پائیں گر کھلا

شعر ۱۱:-

ذرا بھی سامنے میرے اگر عدو بگڑے	تو منہ کو دو اُبھی اسکے ہی ایک پل میں بگاڑ

شعر ۱۲:-

جہاں میر زیر و زبر ہو گیا	خراماں ہوا جب وہ محشر خرام

یہ مثالیں لفظ "سابق" کے مختلف مواقع پر آنے کی ہیں ان میں صنعت ردّ آخر بر سابق مع اشتقاق ہے۔

شعر ۱۳:-

جنبشِ رنگ کا وہ اپنے دکھا کر عالم	ایک عالم کا ہو دل لیکے بغل میں جنبش

شعر ۱۴:-

مجھے ڈر ہے نہ پہونچے پہو پچھوں کے بوجھ سے صدمہ	کہ نازک ہے نہایت ہی ترا اے نازنیں پہونچا

شعر ۱۵:-
تھی گہوارہ لوگوں نے اتارا   فلک سے جس طرح ٹوٹے ہے تارا

شعر ۱۶:-
عابد زاہد فقیہہ جوگی   صوفی کا بھی ہو گیا صفایا

لفظ "سابق" کے مختلف مواقع پر آنے کے لحاظ سے یہ مثالیں
ہیں ان میں صنعت "ردّ آخر بر سابق" ہے شبہ اشتقاق کے ساتھ۔
بعض وقت یہ صنعت اس طرح سے بھی ہوتی ہے کہ شعر کے ہر
مصرعہ میں ردّ آخر بر سابق ہو جیسے۔ شعر:-
کفایت جہاں چاہیئے واں کفایت   سخاوت جہاں چاہیے واں سخاوت

صنعت محاذا یہ ہے کہ مصرع اوّل کے آخری لفظ کو دوسرے مصرع کے
شروع میں پھر لائیں اور اگر رباعی یا قطعہ یا غزل ہو تو ہر بعد کے
مصرع میں پہلا لفظ وہی ہو جو اس سے قبل کے مصرع کا آخری لفظ ہو۔

شعر جیسے:-
غربال ہوئے پاؤں طلب میں تری ہیہات   ہیہات تو اے کعبۂ مقصود کہاں ہے

رباعی جیسے:-
آتا نہیں کیوں مرا وہ آسائش جاں   جاں جس پہ فدا کرتے ہیں سب اور ایماں
ایماں ہے مراعنت اس کی دائم   دائم اس کو بھی مجھ پہ ہے لطف نہاں

لوگوں نے اس صنعت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے کہ ایک شعر

میں ہو تو صنعت قطار البعیر نام ہوگا اور دو یا زیادہ اشعار میں ہو تو صنعت محاذ نام ہوگا۔ مگر ہم اس کو بیجا طوالت سمجھتے ہیں۔

۷۔ صنعت مبادلہ راسین | یہ ہے کہ دو لفظوں میں جو حروف پہلے ہوں وہ کسی اور دو لفظوں میں ایک دوسرے سے بدل جائیں جیسے سیل مائل اور میل سائل۔

شعر دیگر:۔

اگر حق نے بخشی ہے عقل نجیب — تو سن مجھ سے تو ایک نقل عجیب

۸۔ صنعت تضمین مُزْدَوِج | یہ ہے کہ دو لفظ شعر کے قافیہ میں نہ ہوں مگر مقفیٰ (ہم آواز) ہوں اور پاس پاس ہوں جیسے۔

شعر:۔

اُترے ملک فلک سے، یوسف زمیں سے نکلے — ممکن نہیں کہ تجھ سا کوئی کہیں سے نکلے

شعر دیگر:۔

مومن آ اکیش محبت میں کہ سب جائز ہے — حسرت و حرمت صہبا و مزامیر نہ کھینچ

۹۔ صنعت نظم و نثر | نثر میں الفاظ اس ترتیب سے لائیں کہ نظم میں بھی پڑھ سکیں اور نظم میں الفاظ اس طرح لائیں کہ اس کو نثر بھی پڑھ سکیں مگر ہر حالت میں بندش الفاظ میں صفائی ہونی لازم ہے۔

نثر کا خط (از مؤلف) جیسے:۔ اے یار سلیم الحق آیا ہے تمہارا خط معلوم ہوئی حالت۔ تم سب کا میں خادم ہوں۔ جو کام کہو کر دوں۔ جس سے جو کہو کہدوں۔ لیکن ہیں بھلا اس دم۔ کر سکتا ہوں کیا خدمت۔

جب کچھ بھی نہ ہو قابو۔ امید ہے تم مجھ کو۔ معذور ہی سمجھو گے۔"
اس کو نظم بھی پڑھ سکتے ہیں۔

۱۰۔ صنعت براعت استہلال | اس کو کہتے ہیں کہ نثر یا نظم میں آئندہ جو مضمون یا قصہ بیان کرنا ہو۔ دیباچہ ہی میں بعض الفاظ ایسے لائیں جن سے ان کی طرف اشارہ ہو جائے۔ یہ صنعت اکثر مثنوی، قصیدہ اور دیگر داستانوں میں ہوتی ہے۔

جیسے۔ شعر:-

کھلنے پہ جو ہے طلسم تقدیر　　اب خامہ نے یوں کیا ہے تحریر

گلزار نسیم میں یہ شعر اس مقام کا ہے جب بکاؤلی غائب ہو گئی ہے اور حمالہ طلب کی گئی ہے۔ یہ شعر اس داستان کی تمہید میں ہے۔

شعر دیگر:-

کوئی عاشق نہ دیتا جی صنم پر　　نہ سر دھرتا کوئی اس کے قدم پر

یہ شعر ایک مثنوی "عاشق و صنم" کے دیباچہ کا ہے جس میں عاشق نامی مرد اور صنم نامی محبوبہ کا قصہ ہے دیباچہ کے اس شعر میں دونوں کا نام لاکر پورے قصہ کی طرف اشارہ کر دیا۔

۱۱۔ صنعت سیاق الاعداد | یعنی کلام میں اعداد کا ذکر کرنا۔ اس میں ترتیب وغیرہ کی ضرورت نہیں جیسے:- شعر:-

کشتے تھے ایک ضرب میں دو ہوں کہ چار ہوں　　ششدر تھے سب کہ موت سے کیونکر دوچار ہوں

۱۲۔ صنعت مسمط | غزل یا قصیدہ میں مطلع کے علاوہ تین لفظ باقافیہ ہوں جیسے۔

شعر:۔

سرچشمۂ ہمت ہے وہ سر دفتر رحمت ہے وہ
سرمایۂ دولت ہے وہ باعزت وجاہ و حشم

شعر دیگر:۔

کیوں لبھلوں کو کھا گئی لاکھوں گلے کٹوا گئی
یارب کہاں سے آگئی بچھو کی چھری قاتل کے پاس

۱۳۔ صنعت متلون | یعنی کوئی شعر اس طرح کہا جائے کہ دو یا زیادہ بحروں میں پڑھا جاسکے جیسے۔

شعر:۔

آبدار ایسی ہے تیغ اس کی کہ ہنگام نبرد — عمر دشمن کا جو خالی ہو تو بھر دیتی ہے جام

یہ شعر ایک تو بحر رمل مثمن مقصور میں (جس کا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات دو بار ہے) پڑھا جاسکتا ہے۔ اور یہی ایک دوسری بحر رمل مثمن مخبون مقصور میں بھی پڑھا جاسکتا ہے (جس کا وزن ہے فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات دوبار)

شعر دیگر:۔

ضعف سے پاؤں پہ سر آتا ہے آہ — ہوگئے نالوں سے ہم اپنے تباہ

یہ شعر چار بحروں میں پڑھا جاسکتا ہے۔ ایک تو بحر رمل مسدس مخبون

مقصور سے (جس کا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات ہے) اور دوسری بحر بحر رمل مسدس مخبون مقصور مشعث سے (جس کا وزن فاعلاتن فعلاتن فعلان ہے) اور تیسری بحر سریع مسدس مطوی موقوف سے (جس کا وزن مفتعلن مفتعلن فاعلان ہے) اور چوتھی بحر خفیف مسدس مخبون مشعث مقصور سے (جس کا وزن فاعلاتن مفاعلن فعلان ہے)

۱۴۔ صنعت سجع | یہ ہے کہ پہلے فقرہ اور دوسرے فقرہ کا آخری حرف یکساں ہو اس کی چار قسمیں ہیں۔

(۱)۔ سجع مطرف :۔ یہ ہے کہ دو فقروں یا مصرعوں کا آخری لفظ وزن میں نہ ہو۔ مگر حرف آخر یکساں ہو۔

نثر جیسے :۔ بخیل وہ ہے جو آپ کھائے نہ اوروں کو کھلائے یا اُس کی سرنوشت میں حسن کا افسانہ۔ اس کے سرخط گلزار میں عبارت عاشقانہ شعر جیسے :۔

طاق سے تو اتار لے شیشہ طاق پر دھر کتاب اندیشہ

ب۔ سجع متوازن :۔ وہ ہے کہ دو فقروں یا مصرعوں میں وزن تو ہو مگر حرف آخر یکساں نہ ہو۔ نثر جیسے :۔ جس کسی نے عدم سے وجود میں آکر تماشائے موجودات نہیں کیا وہ کالمعدوم ہے اور جس مرد نے اپنی زندگی ایک گوشے میں بیٹھ کر بسر کی وہ گویا زنِ مستور ہے۔ شعر جیسے :۔

بخت ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں چرخ کجباز نے سوچا کہ کرے مجھ کو ذلیل

ج۔ سجع متوازی:۔ وہ ہے کہ دونوں فقروں یا مصرعوں میں وزن بھی ہو اور آخری حرف یکساں بھی ہو۔

نثر جیسے "جس کی طرف چشمِ سرمہ سا اُٹھاتی اُسے نقشِ پا کی طرح مٹاتی"

شعر جیسے:۔

حُسنِ مہ گرچہ بہنگام کمال اچھا ہے
اُس سے میرا مہِ خورشید جمال اچھا ہے

۱۵۔ صنعت ترصیع | اگر دونوں فقروں یا مصرعوں کے تمام الفاظ ترتیب وار یکے بعد دیگرے وزن بھی رکھتے ہوں۔ اور قافیہ بھی [اس کو سجع اور سجع متوازی کی ایک قسم سمجھنا چاہئیے۔]

غالب نے اس صنعت میں ایک پورا قطعہ لکھا ہے جس کے چند شعر یہاں لکھے جاتے ہیں:۔

اے شہنشاہ فلک منظر و بے مثل و نظیر
اے جہاندار کرم شیوہ و بے شبہ و عدیل

بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھکو اماں
چرخِ کجباز نے سوچا کہ کرے مجھکو ذلیل

ورقِ مضموں سے مرا صفحہ "لقا" کی داڑھی
غمِ گیتی سے مرا سینۂ عمر کی زنبیل

قبلۂ کون و مکاں بندہ نوازی میں یہ دیر
کعبۂ امن و اماں عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل

۱۶۔ صنعت توشیح | اسے کہتے ہیں کہ اشعار اس طرح لکھے جائیں کہ اگر ہر شعر کے صرف پہلے حروف جمع کیے جائیں تو ان سے کوئی نام یا عبارت بن جائے جیسے اسیر نے "نواب محمد کلب علی خاں بہادر دام اقبالہ" کے نام کو صنعت توشیح میں یوں ادا کیا ہے۔

ناظمِ مملکتِ جاہ و جلال — وارثِ تاج و سریرِ اقبال
آفتابِ فلکِ جاہ و حشم — بدرِ تابندۂ الطاف و کرم
مالکِ کشورِ صد شوکت و شاں — حاصلِ مزرعِ سرسبزِ جہاں
معدنِ جود و سخا و ہمت — داورِ عادل کسریٰ رفعت
کرم و جود ہے پیشہ اُن کا — لُطف دستور ہمیشہ اُن کا
بارگہ اُن کی عجب عالی ہے — عرش پر جائے خوش اقبالی ہے
لبِ لعلیں جو سخن میں کھولے — یار و اغیار نے موتی رولے
خلق میں کون ہے ثانی اُن کا — اسم خلاقِ معانی اُن کا
نہ فصاحت نہ بلاغت میں جواب — بحر ہے اہلِ جہاں قطرۂ آب
ہیں ہر اک علم و ہنر میں یکتا — ایک عالم میں نہیں ہے ایسا
دلِ آفاق فدا ہے اُن پر — رحمتِ خاص خدا ہے اُن پر
دین و دولت کو انہیں سے ہے چمک — ابرِ رحمت ہے وہی زیرِ فلک
مادّہ لطف و عطا کا ہیں وہ — آسرا خلقِ خدا کا ہیں وہ
قالبِ خاک ہے ہر چند بدن — بزمِ دل نورِ خدا سے روشن
آبِ خضر اُن کی ہے گفتارِ فصیح — لبِ اعجاز نما رشکِ مسیح
ہاتھ میں دامنِ مقصود مدام — بس ان اشعار سے آئینہ ہے نام

۱۷۔ صنعت محذوف | اگر ہر مصرع کے شروع سے کوئی لفظ گرا دیا جائے تو موزونیت میں فرق نہ آئے [البتہ یہ ہوگا کہ وہ شعر پھر دوسری

بحر میں پڑھا جانے لگے گا] جیسے

قطعہ :-

مجھ کو رسوا نہ کر اے آفتِ جاں بہرِ خدا　　بندہ تیرا ہوں میں کر رحم میاں بہرِ خدا
اس میں کیا فائدہ گر مجھ کو کیا تو نے قتل　　کچھ بھی انصاف کر اے سروِ رواں بہرِ خدا

ان اشعار میں سے اگر ہم پہلے مصرع سے مجھ کو اور دوسرے مصرع سے بندہ اور تیسرے مصرع سے اس میں اور چوتھے مصرع سے کچھ بھی کے الفاظ حذف کر دیں تو دوسری بحر میں حسب ذیل اشعار ہو جاتے ہیں :-

رسوا نہ کر اے آفتِ جاں بہرِ خدا　　تیرا ہوں میں کر رحم میاں بہرِ خدا
کیا فائدہ گر مجھ کو کیا تو نے قتل　　انصاف کر اے سروِ رواں بہرِ خدا

۱۸۔ صنعت منقوص | اگر ہر مصرع سے آخری لفظ گرا دیں تو شعر کی موزونی میں فرق نہ آئے البتہ دوسری بحر کا وزن پیدا ہو جائے۔ جیسے

شعر :-

اے حسرتِ یار بس کر (بس کر)　　اے صدمۂ انتظار بس کر (بس کر)
اتنا نہ تڑپ کہ سینہ شق ہو (جائے)　　بس اے دلِ بیقرار بس کر (بس کر)

اگر قوسین کے اندر کے الفاظ گرا دو تب بھی موزون اشعار بچتے ہیں۔

۱۹۔ صنعت ذوالقوافی | یعنی شعر میں دو یا زیادہ قافیے لائے جائیں۔

شعر :-

جب بر در دل حضرت عشق آن پکارے | جاتی رہی عقل اور ہوئے اوسان کنارے
گر حسن میں ہمسر ہیں تمھارے مہ و خورشید | دن رات یہ کیوں ہوتے ہیں قربان تمھارے
جو سلسلۂ زلف کے ہیں دست گرفتہ | پھرتے ہیں سراسیمہ پریشان بچارے

مثال دیگر:-

نہ دیگا تو یہاں گر داد میری | کروں گا حشر میں فریاد تیری

مثال دیگر:-

جب میں نے کہا او بت خود کام ورے آ | تب کہنے لگا چل بے او بدنام پرے جا

بعض وقت دو قافیوں کے بیچ میں حاجب (ردیف) بھی آجاتی ہے اسے **ذوالقوافی مع حاجب** کہتے ہیں جیسے = شعر:-

کہیں آنکھوں سے خون ہو کے بہا | کہیں دل میں جنون ہو کے رہا

۲۰۔ صنعت تلمیع | کلام میں مختلف زبانوں کو جمع کر دیا جائے۔

جیسے = شعر (فارسی و اردو)

اے سرو خوش خرام گلستانِ دلبری | غلماں ترے غلام، کنیزک تری پری

شعر دیگر (اردو و عربی)

کیا حمد کہوں تری مجھے کچھ نہیں یارا | یا من یحفظ العالم لیلاً و نہاراً

دوسرے مصرعہ کے معنی یہ ہیں اے وہ ذات جو ساری مخلوق کو رات اور دن میں محفوظ رکھتا ہے۔

اس صنعت کی دو قسمیں ہیں۔ مکشوف جس میں صرف دو زبانیں

ہوں جس کی مثالیں اوپر گذر چکیں اور دوسری محجوب یعنی وہ جس میں کئی زبانیں ہوں کوئی مصرع عربی کا کوئی ہندی کا کوئی فارسی کا وغیرہ

مثال :-

شاہ ایران یہی لکھتا ہے تجھے عرضی میں ۔۔۔ لو کہ من ہم زعنایات تو حقاً کہ برم
حق میں دشمن کے ترے یوں نہیں کہیں ہیں پہ ہنود ۔۔۔ کائیں باندھا چھری بیری - جو ہو جائے کھم
مدح میں تیری زبان عربی میں اشعار ۔۔۔ شعرا پڑھتے ہیں مسرور ہو آپس میں بہم
مثلہ لیس شجاعاً و امیراً فی الدھر ۔۔۔ خصہ اللہ سعیداً بجمیع العالم

آخری شعر کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں اس کے برابر کوئی بہادر اور امیر نہیں - اللہ نے اُسی کو دنیا والوں کا فریادرس بنایا ہے۔

۲۱۔ صنعت تنسیق صفات | وہ ہے جس میں کسی چیز کی متعدد اور مسلسل صفتیں بیان کی جائیں جیسے :- شعر :-

کہ واں اک جواں تھا پرس رام نام ۔۔۔ خوش اندام و خوش قامت و خوش خرام

شعر دیگر :-

ہے ہے مرے سعید و رشید و حسیں جواں ۔۔۔ خوش رو جواں غریب جواں مہ جبیں جواں

۲۲۔ صنعت التزام | اس کو ملزوم مالایلزم اور تضمین - تشدید اور اعنات بھی کہتے ہیں مگر ہم نے آسان نام منتخب کیا ہے۔ اصل میں اس صنعت کا تعلق قافیے سے تھا یعنی روی کے قبل جو تاسیس اور دخیل کے حروف آتے ہیں ان کو اپنے اوپر لازم کر لینا مثلاً "کامل" کے قافیے میں دل، منزل،

مشکل وغیرہ سب قافیے ہو سکتے ہیں لیکن کامل کا قافیہ التزام کرکے شامل،
عامل اور حامل وغیرہ لائیں یعنی الف جو حرف تاسیس اور میم جو حرف دخیل
ہے دونوں کے پابند ہو جائیں یا یہ کہ کامل کا قافیہ محض حرف تاسیس کی
پابندی کرکے عادل۔ قاتل اور فاضل وغیرہ لائیں ۔غرضکہ اس صنعت کا
تعلق محض قافیے تک محدود تھا لیکن شعرا نے اپنے قوت نظم کے زعم
میں ہر قسم کی پابندیوں کا التزام کرکے اس صنعت کو اس قدر وسیع کر دیا
کہ اب سب قسم کی پابندیاں بیان کر دینا امکان سے باہر ہو گیا۔ مختصر یہ کہ
اب کوئی امر جو لازم نہ ہو اُسکے التزام کر لینے کا نام صنعت لزوم مالا یلزم
ہے۔ مثلاً سودا نے ایک غزل میں اس امر کا التزام کیا ہے کہ قافیے کا جزو آخر
بعد کو بطور ردیف کے آئے۔ دو شعر لکھے جاتے ہیں۔

"باغ تو جاتے ہو تم لیکن خدا کیواسطے گل کو مت اپنے گلے کا کیجیو زنہار ہار
مجھ مریض عشق کی دارو نہیں غیر از اجل اے طبیب اپنی دوا سے تو نہ یہ بیمار مار

انشاء اللہ خاں کی ایک غزل میں جس کی ردیف تینوں ہے۔ یہ
التزام ہے کہ ہر شعر میں تین چیزیں آ جائیں اسی طرح ایک غزل کے
ہر شعر میں پانچ چیزوں کے ذکر کرنے کا التزام ہے۔

"چشم و ادا و غمزہ و شوخی و ناز پانچوں دشمن ہیں میرے جی کے بندہ نواز پانچوں

اور اس غزل میں آٹھ چیزوں کا التزام ہے۔

"پھبن اکڑ چھب نگاہ سج دھج جمال طرز خرام آٹھوں

نہ ہوئیں اُس بُت کے گر پجاری تو کیوں ہو میلے کا نام آٹھول

اندر من کی ایک نظم سُنی گئی ہے جس کے ہر شعر میں لفظ "خاک" لانے کا التزام ہے۔ اس نظم میں۔

"جو ہوئے خاک بیز کوئے دلدار اسے ہے خاک سے ہر دم سروکار
جیسے زر خاک سے حاصل ہوا ہے ملے خاک اس کے حق میں کیمیا ہے

اسی صنعت کے قبیل سے حسب ذیل وہ تمام صنعتیں ہیں جن میں ترک الفاظ یا کسی حرف کے ترک یا وصل یا قطع وغیرہ کا التزام کرتے ہیں۔

۱۔ صنعت قطع:۔ یعنی نظم یا نثر میں کسی حرف کے نہ لانے کا التزام کیا جائے۔ اگر حرف الف نہ لاویں تو اس کو صنعت قطع الالف کہتے ہیں اگر "ب" نہ لاویں تو اس کو صنعت قطع البا علیٰ ہذا القیاس نون بالالتزام نہ لانے کو صنعت حذف النون یا قطع النون کہتے ہیں۔ دریائے لطافت میں ایک جگہ اس کے مصنفوں نے یہ صنعت استعمال کی ہے:۔

"جس کا جی چاہے ہمارے پاس آوے گھر اُس کا ہے۔ اور جو کوئی آتا آتا یکبار گی رُک جائے تو ہم کو کیا غرض۔ اگر چاہے کہ ہمسایہ لیاقت بھی کبھی کبھی آیا کرے تو یہ بات بہت مشکل ہے۔ اس واسطے کہ یہ عاصی پیر از معاصی ایسا عہد کر کے بیٹھا ہے کہ اس گوشہ کے بیچ ایسا جما رہے کہ اگر ہزار بار دورہ کامل فلک ہشتم کا جس کو خلق خدا کرسی کہتی ہے سر پر سے گزر جائے تو بھی اس جگہ سے اُٹھ کر جو بہت چلے تو اس دوسرے

حجب تک ۔"

نظم میں کوئی کتاب یا پوری نظم جو اس صنعت کا قصد کر کے لکھی گئی ہو اُردو میں نظر سے نہیں گذری اشعار میں قریب قریب ہر شعر یا کوئی نہ کوئی شعر ایسا ضرور ہوگا کہ اس میں کوئی نہ کوئی حرف نہ ہو۔ مثلاً غالب کے ان اشعار میں الف نہیں ہے ۔ اور صنعت قطع الالف ہی سب سے زیادہ مشکل ہے۔

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی   میری وحشت تری شہرت ہی سہی
منقطع سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر   عزم سیر نجف و طوف حرم ہے ہم کو
منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی   قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

ب۔ صنعت عاطلہ ۔ اس کو مہملہ اور غیر منقوطہ بھی کہتے ہیں یعنی ایسی عبارت یا نظم ہو۔ جن میں نقطہ دار حروف نہ آویں مرزا دبیر کے دو مرثیے ایسے ہیں جن کے مطلع یہ ہیں۔

۱۔ مہر کرم و سرور اکرم ہوا طالع ۔

۲۔ ہم طالع ہما مراد ہم رسا ہوا ۔ الخ

انشاء اللہ خاں کا ایک پورا دیوان اور ایک مثنوی اور ایک قصیدہ جس کا نام طور الکلام ہے ۔ اسی صنعت میں ہے۔ دیوان کا مطلع یہ ہے:

اور کس کا آسرا ہو سر گروہ اس راہ کا   آسرا اللہ اور آلِ رسول اللہ کا

ج۔ صنعت منقوطہ ۔ یعنی نظم یا نثر میں جتنے حروف ہوں

سب نقطہ دار ہوں۔ یہ صنعت مشکل ہے۔ اس میں معنی بھی بمشکل پیدا ہوتے ہیں:۔

"شفیق شیخ فیض بخش نے جتنے تخت لیپ بخشے۔ بخشی جی نے بنے بنے تخت چن چن بیچے جب تین تخت بچے تب بیچے۔"

مثال دیگر:۔

نے تیغ نے سختی نے تیغ زن بیچے   بیچی بچی نہ چین جبیں نے ذقن بیچے

انشا کے ذیل کے شعر کا پہلا مصرع صنعت مہملہ میں ہے اور دوسرا مصرعہ صنعت منقوطہ میں۔

آہ کل دل کو ہوا درد کہ رکھا ہم کو   جنبش چین جبیں بت چین نے بے چین

د۔ صنعت خیفا:۔ یعنی نظم و نثر میں علی الترتیب ایک لفظ کے سب حروف غیر منقوطہ ہوں۔ اور دوسرے لفظ کے سب حروف منقوطہ ہیں جیسے:۔

"شفیق والا بخت معلی تخت سلمہ شیخ محمد بخش سوداگر اگر جتنے مال بیچیں کل چیزیں لو بٹ لکھدو جب دام بیٹے مال تب لو۔"

مثال دیگر:۔

"شب کو جش سرور تخت رہا   کار فیض مدار بخت رہا"

انشا کے اس شعر کا مصرعہ اول صنعت رقطا میں ہے اور مصرعہ ثانی صنعت خیفا میں۔

"شہ بلند نسب اب مجھے سبھی دیوے   جبین لامع زینت حصول جشن مدام"

۷۔ صنعت رقطا:۔ یعنی نظم یا نثر میں ایک حرف بے نقطہ اور ایک حرف نقطہ دار علی الترتیب واقع ہوں۔ جیسے:۔

"حضرت میرے۔ ابھی سُنا ہے کہ تم فوج کے مقابل چلے سب کے سب آپ کی وضع پہ بہت ہنسے کپڑے رنگے خوب کیا شاباش کیا بات ہے خلق سب آپ کی قائل ہے۔"

مثال دیگر:۔

"کیا غرب و شرق و چرخ ہے کیا فرش رن ہے کیا
دشمن کی ہے اجل یہ پری وپری لقا"

۸۔ صنعت فوق النقاط:۔ یعنی نثر یا نظم میں اس امر کا التزام کیا جائے کہ جس قدر حرف نقطہ دار آویں سب کے اوپر نقطے ہوں نیچے ایک نقطہ بھی نہ ہو۔

"مخدوم من سلامت۔ نوازش نامہ صادر ہوا امانت کو نوکر رکھنا اگر منظور تھا تو اوّل ضمانت داخل کرانا ضرور تھا نہ معلوم کون شخص تھا ساونہ وارد ہوا اور دغا کرکے فرار ہوا آدم معقول اور معتمد کا ملنا دشوار اگر کہو تو ملازم خاص مٹھو خاں کو روانہ کردوں۔"

مثال دیگر:۔

مظہر صدق و صفا قدر شناس مردم   معدنِ عدل و سخا مظہر الطاف و عطا

ز۔ صنعت تحت النقاط:۔ یعنی کلام میں جس قدر حروف آویں ان سب کے نیچے ہی نقطے ہوں۔ اوپر ایک بھی نقطہ نہ ہو جیسے:۔

"میرے پیارے ابعد دعا کے معلوم کرو کہ آج کل میرا ارادہ بمبئی کی سیر کا ہے۔ اس جگہ سے ایک بڑی عمدہ گھڑی لے کر بھیجی جاوے گی رسید سے مطلع کیجیو اور جو اسباب درکار ہو لکھو اللہ چاہے جلد اور اچھا ارسال ہوگا۔ عبد اللہ کو دعا اور بڑے بھائی صاحب کو سلام۔"

مثال دیگر:۔

جس دم چلی حسام، عدو کی سپاہ پر — اک آگ سی لگی جو گئی کوہ و کاہ پر
چمکی کبھی کڑکی کبھی ہر رو سیاہ پر — لپکی کبھی سدوپہ کبھی مہر و ماہ پر
بجلی کی طرح دور کبھی۔ گاہ پاس ہے — عالم کو اس کے ڈر سے عجب اک ہراس ہے

ح۔ صنعت جامع الحروف:۔ یعنی ایک بیت یا فقرہ ایسا ہو جس میں حروف تہجی آجائیں۔ جیسے اس شعر میں حروف عربی سب جمع ہیں:۔

"مظہر فیض و عطا منعم ذی جود و سخا — صلح کل مشرب و ثابت قدم روز وغا"

ط۔ صنعت مسلسل:۔ یعنی کسی اسم کے حروف ترتیب وار علیحدہ علیحدہ لکھے جائیں اور ان حروف کے اسما تلفظ میں آتے ہوں اور ان کے سلسلے وار جمع کرنے سے اسم مطلوب ہو جیسے:۔ شعر:۔

مدرسے میں اہل حرفا اس نحو سے کہتے تھے کل — زحل وقت سے ہے ترکیب مشق سانپ کی

دیگر:-

رہے گا چار سو ستر برس الشّا زمانے میں کہ اس پر سج رہا ہے جع ویثِ وقِ کا جوڑا

ی۔ صنعت معرب:- یعنی کلام میں حرف ایک حرکت ہو اگر فتحہ ہو تو ضمہ و کسرہ نہ ہو اگر ضمہ ہو تو کسرہ و فتحہ نہ ہو اور اگر کسرہ ہو تو فتحہ و ضمہ نہ ہو۔ جیسے

التزام فتحہ:-

کل کا وعدہ کر گیا ہے کل صنم گر نہ آیا آج تو ہے بس غضب

التزام ضمہ:-

صلصل و سنبل و گل و بلبل مجھ کو جو ہوں حصول خوب ہو یار

اس میں یار میں فتحہ قصیدہ کے قافیے کی رعایت کے باعث ہے۔

التزام کسرہ:-

دل لیے تھے پھینک دینے کے لیے پھینکنے کی چیز تھی یہ پھینک دی

ک۔ صنعت منفصل الحروف:- اس کو صنعت مقطع بھی کہتے ہیں یعنی کلام کے تمام حروف کتابت میں ایک دوسرے سے ملے نہ ہوں الگ الگ ہوں جیسے۔

"دو دوائے دردِ آزار دل"

۲۳۔ صنعت لغز | اس کو چیستان اور پہیلی بھی کہتے ہیں اس میں باعتبار علامات۔ صفات اور خواص کے کوئی چیز دریافت ہوتی ہے۔ جیسے:-

مکروہ طبع اہل خرد اسکی کم سنی | پیری میں اسکی قدر جوانی سے بھی سوا
ہے بیگناہ پر یہ تعجب کی بات ہے | اُسکا بھی پوست کھینچتے ہیں اسکے آشنا
} افیون

مثال دیگر :-

ہے لفظ تو اسم ذات کی سی صورت | دن کی صورت رات کی سی صورت
کام آوے وہ درد میں جو لکھے انشا | تو ہو قلم و دوات کی سی صورت
} آہ

مثال دیگر :-

دو تالاب اور کتنی پر یاں | جب دیکھو تب ننگی کھڑیاں
تال کے اوپر دن مٹکیں | نظر پڑیں وہ سب کی کھٹکیں
رات کو وہ سب مل جل کر | سوتی ہیں تالابوں پر
} آنکھ و پلک

۴۲۔ صنعت معمّا اس کو کہتے ہیں کہ اس میں کسی حرف سے یا کسی لفظ کے اشارے سے کوئی اسم یا کوئی عبارت حاصل ہو جیسے :-

ہے کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا | ہم اُلٹے بات اُلٹی یار اُلٹا

ہم کا مقلوب مہ بات کا اُلٹا تاب یار کا مقلوب راۓ = مہتاب راے اسم مقصود حاصل ہو گیا۔

مثال دیگر :-

"سامنے رکھدے سرو پا کاٹ بوتیمار کو | ہے اگر اے باغباں تو مہرباں بخندلیب"

بوتیمار کو ہندی میں لگلا کہتے ہیں جب اس کے سرو پا یعنی شروع اور آخر کے حروف نکال ڈالے جائیں گے تو اسم مقصود یعنی "گل" رہجائیگا۔

مثال دیگر:۔

کیفیت وصال بس اب کچھ نہیں رہی   کیونکہ نہ ہوں ملول میں شب کچھ نہیں رہی

مطلب یہ ہے کہ (ملول ہیں) سے شب نکل گئی۔ شب فارسی ہے۔ اس کا مرادف عربی میں لیل ہے۔ جب حروف (ل ی ل) الفاظ (ملول میں) سے نکل گئے تو مومن باقی بچا یہی اسم مطلوب ہے۔

معمّا اور چیستان کا فرق:۔ معمّا میں مقصود حروف اور الفاظ ہوتے ہیں اور چیستان میں مقصود اصلی۔ اشیاء کی ذاتیں۔

۲۵۔ صنعت تاریخ: تاریخ کے لغوی معنی وقت ظاہر کرنا۔ لیکن اصطلاح میں تاریخ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی لفظ فقرہ۔ عبارت۔ بیت یا مصرع اس طرح تجویز کریں کہ اس کے مکتوبی حروف کے عددوں سے بحساب جمل کسی واقعہ کا سن اور سال معلوم ہو۔

جمل کے حساب سے حروف کے اعداد

ابجد	ہوز	حطی	کلمن	سعفص
۱ ۲ ۳ ۴	۵ ۶ ۷	۸ ۹ ۱۰	۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰	۶۰ ۷۰ ۸۰ ۹۰

قرشت	ثخذ	ضظغ
۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰	۵۰۰ ۶۰۰ ۷۰۰	۸۰۰ ۹۰۰ ۱۰۰۰

ہندی اور فارسی کے حروف کے اعداد	پ	ٹ	چ	ڈ	ڑ	ژ	گ
	۲	۴۰۰	۳	۴	۲۰۰	۷	۲۰

جو حروف لکھنے میں آتے ہیں صرف اُنھیں کے اعداد شمار کیے جاتے ہیں جیسے "شدت" میں صرف ایک دال لکھی جاتی ہے۔ تو اب دو دالوں کے اعداد نہ شمار کیے جائیں گے۔ یا "نصیرالدین" میں الف اور لام پڑھے نہیں جاتے لکھے جاتے ہیں لہٰذا اس کے اعداد محسوب ہوں گے۔

جو الف "ی" کی صورت میں لکھے جاتے ہیں اُن کے اعداد "ی" کے اعداد ہوں گے جیسے عیسیٰ۔ موسیٰ۔

چہ۔ کہ۔ وغیرہ میں ہائے مختفی کے اعداد لیے جائیں گے۔

جو "ت" دراز لکھی جاتی ہے جیسے عنایت۔ حشمت۔ دولت۔ نعمت ان کے چار سو عدد جوڑے جاتے ہیں۔ لیکن گول "ۃ" جیسے صلوٰۃ۔ زکوٰۃ اس کے عدد ہائے ہوز کے عدد یعنی ۵ ہوں گے۔

الف ممدودہ کے عدد بعض لوگ دو لیتے ہیں کیونکہ کتابت میں اس پر مد ہے اور بعض ایک۔ ہیں تو دونوں جائز۔ لیکن مستحسن ایک کا لینا ہے۔ اور (ء) ہمزہ کا بعض ایک عدد لیتے ہیں اور بعض بصورت "یا" لکھ کر دس عدد لیتے ہیں اور بعض لوگ مہمل چھوڑ دیتے ہیں اور یہی مستحسن ہے۔

تاریخ کی دو قسمیں	ہیں۔ صوری[۱] ۔ معنوی[۲] ۔

۱۔ صوری:۔ وہ ہے جس سے لفظاً کوئی زمانہ معلوم ہو۔ جیسے
"ہزار و صد "۱۶۲" و شصت و دو ہیں غرض اجل کا بہانہ ہوا وہ مرض"
۲۔ معنوی:۔ وہ ہے جس میں زمانہ بحساب جمل معلوم ہو اور اس
کے تین طریقے ہیں۔
پہلا طریقہ۔ جس کو جمل صغیر یا زبر کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ لفظ میں
جتنے حروف ہوں اس کے اعداد معینہ جو مذکور ہوئے جمع کر لیے جائیں
جیسے لفظ عشرت کے اعداد = ۷۰ + ۳۰۰ + ۲۰۰ + ۴۰۰ = ۹۷۰
ہوئے اور یہی طریقہ زیادہ رائج اور متعارف ہے۔ مثلاً میر گھسیٹا
کی تاریخ۔
"جب میر گھسیٹا مر گئے ہائے ہر ایک نے اپنے سر کو پیٹا
ہاتف نے کہی یہ اس کی تاریخ افسوس کہ موت نے گھسیٹا"
چوتھا مصرع مادۂ تاریخ ہے جس کے اعداد بحساب مذکور
۱۲۲۹ ہوتے ہیں۔
دوسرا طریقہ۔ جس کو جمل وسیط کہتے ہیں یا بینات کہتے ہیں
یہ ہے کہ خود حروف کے نام میں جتنے حروف ہوتے ہیں ان میں سے
ہر حرف اول چھوڑ کر باقی حرفوں کے اعداد جمع کرتے ہیں جیسے لفظ عشرت
چار حرفوں سے مرکب ہے۔ عین۔ شین۔ را۔ تا۔ اب اس کے
اعداد اس طرح لیں گے کہ عین کا حرف اول ع چھوڑ کر ی اور ن

کے عدد یعنی ۱۰ + ۵۰ = ۶۰ لیں گے اور اسی طرح شین کا حرف اول
ش چھوڑ کر ی اور ن کے عدد بھی ۶۰ لیں گے اور را کے ایک اور تا
کے ایک لہٰذا از روئے بینیہ لفظ عشرت کے عدد ۶۰ + ۶۰ + ۱ + ۱ = ۱۲۲
ہوتے ہیں جیسے تذکرہ سراپا سخن کے اہتمام کی تاریخ محمد حسن خاں صاحب
طبیب شاگرد منیر نے کہی ہے۔

ہے مشفق نے لکھا ہے تذکرہ کیا نور کا　　ہو سکے کیونکر کسی سے اے طبیب اسکا جواب
ہے شمار بینیہ میں مصرع سال آشکار　　واہ دیکھا تذکرہ وہ شاعروں کا لاجواب

حساب مذکورہ بالا سے مادہ کے مصرع کے اعداد ۱۲۶۹ ہوتے ہیں
جو سال طبع کتاب ہے۔

تیسرا طریقہ۔ جس کو جمل کبیر یا زبر و بینات کہتے ہیں گویا مجموعہ
ہر دو طریقہ مذکورہ بالا کا ہے۔ یعنی خود حرف میں جتنے حروف ہوتے
ہیں سب کے عدد لے لیے جاتے ہیں۔ اس طریقہ سے لفظ عشرت کے
عدد اس طرح لیے جائیں گے عین کے ۱۳۰ شین کے ۳۶۰ را کے
۲۰۱ تا کے ۴۰۱ یعنی ۱۳۰ + ۳۶۰ + ۲۰۱ + ۴۰۱ = ۱۰۹۲ عشرت
کے عدد زبر و بینات میں ہوئے جیسے حافظ جلیل حسن جلیل کے
دیوان مسمّیٰ بہ تاج سخن کی تاریخ ترتیب ان کے شاگرد عتیق نے
کہی ہے۔

اللہ اللہ یہ ہے وہ تاج سخن　　جس کا عالم میں نہیں مثل و بدیل

سال ترتیب اس کا ہے نظم جلیل کہہ زبر اور بیّنہ میں اے عتیق

نظم جلیل کے اعداد بحساب زبر و بیّنات ۱۳۲۷ ہوتے ہیں۔ جو سال ترتیب دیوان مذکور کا ہے۔ جب تاریخ پورے مادّے سے نکلتی ہے۔ تو اس کو تاریخ بلا کم و کاست یا تاریخ کامل کہتے ہیں اور ایسی تاریخ اچھی ہوتی ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ مادّہ تاریخ کچھ عدد اعداد مطلوبہ سے بڑھ جاتے ہیں تو باشارہ مناسب اتنے اعداد گھٹا دیتے ہیں اور اس کو عمل تخرجہ کہتے ہیں اور اگر کم پڑتے ہیں۔ تو اسی طرح مناسب اشاروں سے بڑھا دیتے ہیں اور اس کو عمل تعمیہ کہتے ہیں۔

مثال تعمیہ:۔

قفل گنج ناظم شیریں بیاں ہے لب جودت سے سال عیسوی

مصرع مادّہ کے عدد ۱۹۰۷ بحساب زبر ہوتے ہیں اس میں لب جودت یعنی حرف ج کے ۳ عدد ملادے لہٰذا ۱۹۱۰ء سال ترتیب حاصل ہو گیا۔

مثال تخرجہ:۔

جو میں نے سر باغیوں کا کاٹا تو نکلا اے برق عیسوی میں
جلیل سلطانِ ملک معنی کو ہو یہ تاجِ سخن مبارک

مادّہ کے مصرعہ کے عدد ۱۹۱۲ ہوتے ہیں اس میں سے باغیوں کا سر یعنی ب کے ۲ عدد نکال ڈالے تو ۱۹۱۰ء سال ترتیب نکل آیا۔

تخرجہ و تعمیہ اکائیوں کی حد تک جائز ہے۔ دہائیوں اور سیکڑوں کا تخرجہ و تعمیہ معیوب ہے لیکن اگر کوئی خاص خوبی ہے تو روا ہے مومن خاں نے اپنی دختر کے ولادت کی تاریخ کہی ہے۔

نال کٹنے کے ساتھ ہاتف نے کہی تاریخ دختر مومن

دختر مومن کے عدد ۱۳۴۰ ہوتے ہیں اس میں سے لفظ نال کے عددوں یعنی ۸۱ کا تخرجہ کیا گیا تب سال مطلوب ۱۲۵۹ھ حاصل ہوا۔ یہ تخرجہ دہائیوں کا ہے لہٰذا معیوب ہے لیکن چونکہ نال کٹنے کا لفظ ولادت کے واسطے بہت مناسب ہے لہٰذا اس تخرجہ کا عیب جاتا رہا۔

تاریخ کی ایک قسم صوری و معنوی بھی ہے۔ یعنی سال مطلوب لفظوں میں بھی ظاہر ہو اور بحساب جمل بھی انھیں الفاظ سے نکلے اور یہ اس وقت اور بھی زیادہ لطیف ہو جاتی ہے۔ جب لفظوں میں کوئی اور سن ظاہر ہوتا ہو۔ اور بحساب جمل دوسرا سن نکلے جو اس کے مطابق ہو جیسے ایک لڑکے کے ولادت کی تاریخ کہی گئی ہے۔

"اٹھارہ سو پچھتر تاریخ ولادت ہے"

اٹھارہ سو پچھتر کے بحساب جمل ۱۲۹۲ عدد ہوتے ہیں اور ۱۸۷۵ء میں سن ہجری ۱۲۹۲ھ ہی تھا۔ تاریخ میں شعرا نے بہت جدتیں کی ہیں یعنی مادہ میں کبھی محض منقوط حرفوں سے اور کبھی غیر منقوط حرفوں سے اعداد کا حساب کرتے ہیں اور کبھی باشارہ مناسب حرف ایک یا دو

حرفوں کے عدد لیتے ہیں جیسے مومن خاں نے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے وفات کی تاریخ کہی ہے۔

دستِ بیدادِ اجل سے بے سروپا ہو گئے فقر و دین فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

مصرعہ ثانی میں جس قدر الفاظ ہیں سب کو بے سروپا یہ کر کے یعنی اوّل و آخر نکال کر صرف درمیان کے حروف کے عدد لیے گئے ہیں اور اس طرح سے سن مطلوب ۱۲۳۹ نکالا ہے ناسخ نے نیا طریقہ تاریخ میں استعمال کیا ہے۔

از حائے حکیم ہشت بردار سہ مرتبہ نصفِ نصف کم کن

یعنی ح کے ۸ عدد لے کر اس کا نصف چار کیا پھر چار کا نصف دو کیا پھر دو کا نصف ایک کیا اور ان کو ترتیب سے لکھ کر ۱۲۴۸ھ نکالا ہے کبھی صنعت توشیح سے تاریخ نکالتے ہیں یعنی سرِ ہر مصرع یا ہر شعر کے حروف کے اعداد جمع کر کے سن مطلوب حاصل کرتے ہیں کبھی ایسا کرتے ہیں کہ ایک قطعہ میں مادّہ تاریخ کبھی آخر مصرع میں ہوتا ہے۔ اور بطور توشیح قطعہ کے سرِ ہر مصرع کے حروف کے اعداد جمع کرنے سے بھی تاریخ نکلتی ہے یہ بھی ممکن ہے کہ مادّہ تاریخ میں سن عیسوی یا ہجری نکلے اور صنعت توشیح سے دوسرا سن جو اس کے مطابق ہو وہ نکلے یا مصرع اوّل کے شروع کے حروف جمع کرنے سے سن ہجری نکلے اور آخر کے حروف جمع کرنے سے سن عیسوی پیدا

اور مصرع ثانی کے شروع کے حروف سے سن فصلی اور اس کے آخر کے
حروف سے سمت ظاہر ہو جیسے منشی عنایت حسین صاحب بلگرامی نے
آغاز کتاب تاریخ سالار مسعود غازی مسمّٰی بہ غزا نامۂ مسعود میں دو قصیدے
نواب کلب علی خاں فرمانروا ے رامپور کی مدح میں کہے ہیں اور ان میں
صنعت توشیح سے تاریخ سن ہجری و عیسوی و فصلی و سمت نکالی ہے
اور مرزا طہماسپ علی نے جو قطعہ تاریخ شادی کتخدائی شاہزادہ دارا
شکوہ فارسی میں بحر ہزج سالم میں کہا ہے۔ اس میں تاریخ نکالنے میں
یہ کمال دکھایا ہے۔ کہ سر ہر دو مصرع سے ایک ایک حرف جمع کرنے سے
ایک شعر بحر ہزج مسدس مقصور میں حاصل ہوتا ہے۔ اور ان دونوں
مصرعوں سے بھی علیحدہ علیحدہ تاریخ شادی نکلتی ہے۔ اور لطف یہ
ہے کہ اس شعر حاصل شدہ کے حروف مہملہ جمع کرو تو وہی سن برآمد
ہو۔ اور حروف منقوطہ سے بھی وہی سن نکلے اس قطعہ میں مرزا ے
موصوف نے دعویٰ بھی کیا ہے۔

ایک شعر اس کا یہ ہے:-

کسے گر زیں نمط شعرے تواند گفت بسم اللہ

بشاگردی او خط می دہم در حضرت خاقاں

اور وہ شعر جو صنعت توشیح میں سر ہر مصرع سے حاصل
ہوتا ہے یہ ہے:-

بعد تزئین بہ لوح محل شاہ　　رقم دیدم قران مہر با ماہ

اس میں دونوں مصرع تاریخی ہیں اور ہر مصرع سے ۱۰۴۲ھ نکلتا ہے۔ اور شعر کے حروف مہملہ و منقوطہ کے اعداد بھی علیحدہ علیحدہ ۱۰۴۲ھ ہجری بتلاتے ہیں غرضکہ تاریخ میں جو جو کمالات شعرا نے دکھائے ہیں ان سب کے جمع کرنے کے لیے یہ رسالہ گنجائش نہیں رکھتا۔
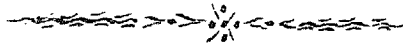
فصل دوم۔ صنائع معنوی

۱۔ صنعت تناسب | اس کا ایک اور مشہور نام ہے **مراعات النظیر**۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں ایک لفظ کی رعایت اور لحاظ سے اس کی مناسب چیزیں جمع کر دینا جیسے چمن کے ذکر کا لحاظ کر کے آشیانہ گل وبلبل۔ باغبان۔ گلچیں۔ سرو قمری۔ رنگ و بو وغیرہ کا ذکر کرنا۔ شعر:۔

جبیں والفجر ہے واللیل گیسوئے عنبر ہے   خط رخ سورۂ یوسف ہے ان کے مصحف رخ میں

والفجر کہکر صبح کی سی چمک مراد تھی مگر چونکہ لفظ والفجر کا تھا اس لیے اس کی رعایت سے واللیل۔ سورۂ یوسف۔ اور مصحف لائے۔ شعر دیگر:۔

دنیا دریا ہے اور ہوس طوفاں ہے   مانند حباب ہستی انساں ہے
لنگر ہے جو دل تو ہر نفس باد مراد   سینہ کشتی ہے ناخدا ایماں ہے

۲۔ صنعت ایہام تناسب | یہ بھی دراصل صنعت تناسب کی ایک قسم ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دو لفظ ایسے بیان کریں جن میں کچھ مناسبت ہو مگر اس کلام میں ایک لفظ کے اور معنی ایسے بھی ہوں جس سے دوسرے لفظ سے کچھ مناسبت نہ ہو جیسے لیلی کے لفظ کے ساتھ مجنوں کا لفظ بھی استعمال کریں اور ظاہر ہے کہ دونوں لفظوں میں معنوی مناسبت ہے مگر اس کلام میں مجنوں کے معنی قیس عامری نہ ہو بلکہ پاگل اور دیوانہ کے معنی میں ہو پس اس طرح کی مناسبت کو ایہام تناسب کہتے ہیں جیسے شعر:۔

میکش کو ہوس ایاغ کی ہے   پروانے کو تو چراغ کی ہے

اگرچہ کو اور چراغ میں معنوی مناسبت موجود ہے لیکن اس جگہ کو کے دوسرے معنی خواہش کے مراد ہیں اور اس معنی کو چراغ سے کوئی مناسبت نہیں۔ مثال دیگر:-

میر کا ہجر میں وصال ہوا   چلو جھگڑا ہی انفصال ہوا

ہجر کو اور وصال کو جمع کیا ہے جو بظاہر مناسبت رکھتے ہیں لیکن یہاں وصال کے دوسرے معنی مرنے کے مراد ہیں اور اس معنی کو ہجر سے کوئی مناسبت نہیں۔

۳۔ تشابہ اطراف | یہ صنعت بھی مراعات نظیر اور تناسب کی قسم میں داخل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں ابتدا کے لفظ کے مناسب لفظ کو آخر میں لائیں جیسے:۔ شعر:-

یہاں کے سفید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے تو اتنا ہے

رات کو رو رو صبح کیا اور دن کو جوں توں شام کیا

سفید اور سیاہ کا لفظ اسی شعر کے شروع میں آیا ہے اس کے مناسب الفاظ آخر شعر میں لائے ہیں چنانچہ سفید کے مناسبت سے صبح اور دن لائے ہیں اور رات کی مناسبت سے رات اور شام۔ مثال دیگر:-

وہ پیام یار لایا اس نے کھولی فال نیک   پائے قاصد چومیے اور دست فال چومیے

شروع کے پیام یار لانے والے کے مناسب پا اور قاصد ہیں جو آخر

میں ہیں۔ اسی طرح فال کھولنے والے کے مناسب دست اور عامل ہیں جو آخر
میں ہیں۔

۴۔ صنعت سوال و جواب | کلام میں سوال و جواب دونوں کو جمع کر دیں جیسے شعر:۔

پوچھا کہ طلب کہا قناعت — پوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت

۵۔ صنعت حسن تعلیل | یہ ہے کہ کسی امر کے لیے کوئی ایسی علت تخییل سے پیدا کریں
جو دراصل اس کی علت نہ ہو اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

ا۔ کوئی واقعی چیز ہو اس کے لیے علت مذکورہ کے علاوہ کوئی اور علت
ظاہر بھی ہو جیسے : شعر:۔

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی — ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

ساحل سے موجوں کے لگنے کا سبب اصلی ظاہر ہے کہ ہوا کی حرکت ہے لیکن
شاعر اس کی وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ کربلا میں ہمراہیان امام حسینؑ کی پیاس
پر افسوس اور رنج کرنے کے لیے موجیں سر پٹکتی تھیں۔

مثال دیگر: ع :۔ "سایہ کنوئیں میں اترا تھا پانی کی چاہ سے"
سایہ کا کنوئیں میں اترنا دراصل سورج کے سر پر آجانے کی وجہ سے ہے
مگر شاعر کہتا ہے کہ گرمی سے بے چین ہو کر پانی کی تلاش میں سایہ کنوئیں
میں اتر گیا۔

ب۔ کسی واقعی امر کے لیے شاعر کی فرض کی ہوئی علت کے سوا کوئی
اور علت ظاہر نہ ہو جیسے : شعر:۔

گل زمیں سے جو نکلتے ہیں برنگ شعلہ — کون جاں سوختہ جلتا ہے تہ خاک ہنوز

گل کا برنگ شعلہ یعنی سرخ زمین سے نکلنا واقعی امر ہے مگر شاعر اس کی وجہ ٹھہراتا ہے کہ کوئی دل جلا قبر میں اب بھی جل رہا ہے اور اُسی کا شعلہ یہ پھول کی شکل میں نکل رہا ہے۔ مثال دیگر۔ شعر

زیر زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف — قاروں نے راستہ میں لٹایا خزانہ کیا

زمیں سے پھول فی الحقیقت زیرہ لے کر نکلتا ہے مگر اس کی وجہ حسب قول شاعر یہ ہے کہ قارون جو مع خزانہ کے زمین میں برابر دھنستا چلا جا رہا ہے شاید اسی نے خزانہ لٹا دیا ہے کہ ہر پھول یہ زرد زر یا زیرہ لیے ہوئے نکلتا ہے۔

ج۔ دراصل کوئی امر واقعی نہ ہو اس کے لیے کوئی علت ثابت کی جائے خواہ وہ ممکن ہو خواہ محال جیسے۔ شعر:۔

گل آتے ہیں ہستی میں عدم سے ہمہ تن گوش

بلبل کا یہ نالہ نہیں افسانہ ہے اُس کا

پھول کا کان کی شکل میں ہونا خود ہی کوئی امر واقعی نہیں پھر اس کے لیے شاعر نے علت یہ فرض کی ہے کہ یہ اہتمام کہ پھول عدم ہی سے کان لے کر آئیں محض اتنے کے لیے نہیں ہو سکتا کہ وہ بلبل کا قصہ سُنے بلکہ بلبل بھی جو کچھ کہتی ہے وہ خدا کا افسانہ ہے۔

مثال دیگر:۔

وقت رفتار ہے زر ریز عجب نقش قدم
نقش پا راہ میں بن جاتے ہیں دینار و درم

راستہ میں پیروں کے نقش سے دینار و درم بننا امر واقعی نہیں پھر اس کے لیے شاعر نے تخیل سے علت یہ فرض کی ہے۔ کہ محبوب کی رفتار ہی زر ریز ہے اور یہ علت محال ہے۔

حسن تعلیل ہی میں یہ امر بھی سمجھا جاتا ہے کہ کلام میں علت کو بطور شک کے ذکر کریں جیسے = شعر:-

کیا کسی باغ میں ہے آج پڑی سوتی صبح
کیوں مرے سامنے کمبخت نہیں ہوتی صبح

صبح کے سامنے نہ ہونے کا سبب اس کا سونا فرض کیا ہے جس کو شک کے لہجہ میں بیان کیا ہے۔

۱۔ صنعت تضاد | اس صنعت کو طباق۔ مطابقت۔ تقابل۔ تطبیق اور تکافو بھی کہتے ہیں۔ صنعت تدبیج۔ صنعت ایہام تضاد۔ صنعت مقابلہ اسی کی شاخیں ہیں۔ صنعت طباق کی دو قسمیں ہیں ایک ایجابی۔ دوسرے سلبی۔

(الف) طباق ایجابی۔ اس کو کہتے ہیں جس میں دو چیزیں ایک کلام میں ایسی جمع کی جائیں جن کے معنوں میں فی الجملہ تضاد و تقابل ہو خواہ وہ دونوں چیزیں اسم ہوں یا فعل یا حرف یا ایک ان میں سے اسم ہو اور ایک فعل۔ ہر چیز کی مثالیں ذیل میں درج ہیں جن لفظوں میں تضاد واقع

ہوا ہے اُن پر نشان بنا دیا گیا ہے۔

مثال اسم با اسم:۔

ابتدا و انتہا موج ازل ہے اور ابد   کیا بتاؤں ہیں نشانِ ساحلِ دریائے دل
ظلمت جہاں جہاں تھی وہاں نور ہو گیا   پھر مشک شب جہاں سے کافور ہو گیا

مثال فعل با فعل:۔

کیا ہنسے اور خاک کوئی رو سکے   جی ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے
گاہ مرتا ہوں گاہ جیتا ہوں   آنا جانا ترا قیامت ہے

مثال حرف با حرف:۔

کچھ تری بات کو ثبات نہیں   ایک ہاں ہے تو پانچ سات نہیں
یہ غزل سودا کہی ہے تو نے اس انداز سے   ہند سے جائیگی ہاتھوں ہاتھ تا نیشا پور تک
وہ میوہ ہائے تازہ وہ شیریں کہ واہ واہ   وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

مثال اسم با فعل:۔

نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند۔   مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
مجھے کیا بیٹھے روتے ہیں احباب   کریں سامان اب اٹھنے کا

اگر کسی کلام میں عناصر اربعہ جمع ہو جائیں تو وہ بھی طباق ایجابی ہے۔ مثال دیگر:۔

چار دن کے لیے کیا کیا نہ ہوا دنیا میں
خاک سے آب سے آتش سے ہوا سے پیدا

مثال دیگر :- شعر :-

نہیں خاطر میں لاتا عشق سرکش　　کہیں کیا خاک و باد و آب و آتش

اور یہ بھی اسی صنعت کے قبیل سے ہے کہ کلام میں دو چیزیں ایسی جمع ہوں جن کے معنی میں آپس میں تو تضاد نہ ہو لیکن دونوں میں سے ایک دوسرے کے ہم تعلق چیز کے متضاد ہو۔ خواہ یہ تعلق سببیت کا ہو یا لزوم کا یا اور کسی قسم کا۔ جیسے :- شعر :-

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے　　یا بیان کیجئے سپاس لذت آزار دوست

مہربانی آزار کے مقابلہ میں نہیں ہے بلکہ مہربانی کے مقابلہ میں نامہربانی اور عداوت ہے لیکن آزار کو نامہربانی سے علاقہ سببیت ہے یعنی آزار سبب ہے اور نامہربانی مسبّب لہذا مہربانی اور آزار میں (بوجہ علاقہ سببیت کے جو آزار کو نامہربانی سے ہے) تضاد ہو گیا۔ مثال دیگر :- شعر

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی　　ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

مرنے کا متضاد جینا ہے اور مسیحائی اور جینے میں ایک قسم کا تعلق ہے یعنی جلانا حضرت عیسیٰ کا معجزہ تھا لہذا مرنے اور مسیحائی میں بوجہ ایک تعلق خاص کے (جو جینے کو مسیحائی کے ساتھ ہے) تضاد ہو گیا۔

مثال دیگر :- شعر

خزاں میں مجھ کو رلاتی تھی فصل بہار　　خوشی ہو عید کی کیونکر کہ سوگوار ہوں میں

رلانے کے مقابل ہنسانا ہے اور اس کو خوشی کے ساتھ علاقہ لازمی ہے

کیونکہ بغیر خوشی کے کوئی ہنس نہیں سکتا لہٰذا رولاتے اور خوشی میں . بوجہ تعلق لازمی کے جو ہنسی کو خوشی کے ساتھ ہے تضاد ہو گیا۔

(ب) **طباق سلبی**۔ وہ ہے کہ دو لفظ ایک مصدر سے مشتق ہوں ایک مثبت ہو دوسرا منفی یا ایک امر ہو دوسرا نہی اور وہ دونوں ایک کلام میں جمع ہو جائیں چونکہ ایک مصدر کے فعلوں میں تضاد بغیر نفی اور سلب کے ممکن نہیں لہٰذا اس کو طباق سلبی کہتے ہیں اور پہلی قسم یعنی طباق ایجابی میں نفی اور سلب کو کچھ دخل نہیں ہے۔ جیسے یہ شعر:۔

بات اپنی وہاں نہ جمنے دی اپنے نقشے جماتے لوگوں نے

مثال دیگر:۔

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

پہلا شعر مثبت و منفی کی مثال ہے اور دوسرا شعر امر و نہی کی ہے۔

ج۔ **صنعت ایہام تضاد**:۔ یعنی کلام میں دو معنی ایسے جمع کئے جاویں جس میں باہم تضاد و تقابل نہ ہو لیکن جن الفاظ کے ساتھ ان کو تعبیر کریں اس کے حقیقی معنوں میں تضاد ہو اور یہ عام ہے اس سے کہ ایک کے معنی مجازی دوسرے کے معنی حقیقی کے ساتھ جمع ہوں اور اس مجازی معنی کو حقیقی معنی کے ساتھ تضاد ہو یا دونوں کے مجازی معنی کو جمع کریں اور ان دونوں کے حقیقی معنوں میں تضاد ہو۔

چار دیواری سو جگہ سے خستہ تر ذرا ہو تو سو کھتے ہیں ہم

کہنے کو گل سے شبنم باغ میں دونوں تھے ہم لیکن
تری قسمت میں ہنسنا تھا مری قسمت میں رونا تھا

پہلے شعر میں چار دیواری کے تر ہونے اور آدمی کے خوف کھانے میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ لیکن چونکہ خوف کھانے کو سو کھنے کے لفظ سے تعبیر کیا ہے لہٰذا تر ہونے کے ساتھ تضاد ہو گیا۔ اسی طرح دوسرے شعر میں پھول کے کھلنے اور شبنم کے گرنے میں کوئی تضاد نہیں ہے لیکن چونکہ پھول کے کھلنے کو ہنسنے سے اور شبنم کے گرنے کو رونے سے تعبیر کیا ہے لہٰذا دونوں میں تضاد ہو گیا پہلے شعر میں چار دیواری کا تر ہونا حقیقی ہے اور آدمی کا سو کھنا مجازی یعنی حقیقی معنی کو مجازی معنی کے ساتھ جمع کر کے تضاد حاصل کیا گیا اور دوسرے شعر میں پھول کا ہنسنا اور شبنم کا رونا دونوں مجازی ہیں یعنی دونوں مجازی معنی کو جمع کر کے ان کے حقیقی معنی سے تضاد حاصل کیا گیا ہے۔

د۔ صنعت تدبیج :۔ لغت میں تدبیج کے معنی آراستہ کرنے کے ہیں۔ اور اصطلاح بدیع میں یہ معنی ہیں کہ کوئی مطلب رنگوں میں بطریق کنایہ یا بطور ابہام کے بیان کریں رنگوں کی کثرت شرط نہیں ہے بلکہ ایک سے زیادہ رنگ ہونا چاہئیے۔ جیسے :۔ شعر :۔

مثل گل احباب تیرے اس چمن میں سرخرو رو‌ئے دشمن زرد یارب صورت بادِ خزاں

سُرخ و زرد میں تقابل ہے اور مقصود بطور کنائے کے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ سُرخ رو کنایہ عزت و حرمت حاصل کرنے سے ہے اور زرد رو ہونا کنایہ مغموم و پژمردہ ہونے سے ہے۔ مثال دیگر:۔

دیکھنا منہ لال ہو جائیں گے کس کس کے ابھی
سامنے میرے جو برگ سبز پان تو نے دیا

لال و سبز میں تضاد ہے اور مقصود بطور ایہام کے حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ منہ لال ہونے کے دو معنی ہیں ایک قریب یعنی منہ کا سُرخ ہونا بسبب پان کھانے کے دوسرے بعید یعنی منہ کا لال ہونا طمانچوں سے اور شاعر نے بھی بعید معنی مراد لیے ہیں۔ اور اسی کو ایہام کہتے ہیں کہ سامع کا خیال فوراً معنی قریب کی طرف جائے لیکن قائل نے معنی بعید مراد لیے ہیں۔

۸۔ صنعت مقابلہ:۔ اس کو کہتے ہیں کہ دو یا زیادہ معنی جو آپس میں متضادہ ہوں ایک جگہ جمع کریں اس کے بعد اس کے مقابل معنی کا علی الترتیب ذکر کریں مثال دو معنی کی۔ جیسے: شعر:۔

مجھے اس دم سے دانائے رازِ صمد کہ صبح ازل تھی نہ شام ابد

صبح اور ازل دو غیر مقابل معنی ایک جگہ پر جمع ہوئے اس کے بعد صبح کے مقابلہ میں شام اور ازل کے مقابلہ میں ابد علی الترتیب مذکور ہوئے زیادہ معنوں کی مثالیں۔ جیسے: شعر:۔

بس اب جہان میں کوئی جو تجھ سے ہو بد خواہ
ہو زہرِ مرگ، حلال، اُس پہ شہدِ زیست حرام

مثال دیگر:۔

ہے ازل سے روائی آغاز ہو ابد تک رسائی انجام

دیگر:۔

واں شہرِ فلک جُھکتا ہے تسلیم کے خاطر یاں گاؤ زمیں اُٹھتی ہے تعظیم کے خاطر

۷۔صنعت ایہام | اس کو توریہ بھی کہتے ہیں ایہام کے معنی لغت میں وہم میں ڈالنے کے اور توریہ کے معنی چھپانے کے ہیں لیکن اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ کلام میں ایسا واقع ہو جس کے دو معنی ہوں ایک قریب کے ایک بعید کے سامع کا گمان (بسبب مناسبت مقام کے) معنی قریب کی طرف جائے لیکن شاعر نے اس سے (بہ اعتبار کسی قرینۂ خفی کے کہ جو بعد تامل سمجھ میں آئے) معنی بعید مراد لیے ہوں۔ اگر معنی قریب کے (جو مراد نہیں ہوتے) کچھ مناسبت کلام میں مذکور نہ ہوں تو اس کو ایہام مجرد کہتے ہیں اور اگر مذکور ہوں تو ایہام مرشحہ کہتے ہیں۔

۱۔ ایہام مجردہ:۔ جیسے شعر

تشبیہ ترے چہرۂ روشن سے خاک دیں ہم دیکھتے ہیں شمع کا سارا بدن سفید

بدن سفید ہونے کے دو معنی ہیں ایک قریب اور وہ بدن کا گورا چٹا ہونا ہے دوسرے بعید اور وہ بدن کا مبروص ہونا ہے اور شاعر نے بھی

بعید معنی مراد لیے ہیں۔ اور اس میں مناسبات معنی قریب کے کچھ مذکور نہیں ہیں۔ مثال دیگر :-

بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن
آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا

دیگر :-

نشہ ہو جس کو محبت کا سبزہ رنگوں کی عجب نہیں جو وہ مشہور سب میں بھنگی ہو

دیگر :-

ہجر میں گھل گھل کے آدھا ہو گیا اے مسیحا اب میں ہوتا ہو گیا

ب - ایہام مرشحہ :- جیسے شعر

کعبہ میں جاں بلب تھے ہم دوری بتاں سے
آئے ہیں پھر کے یارو اب کی خدا کے یاں سے

خدا کے یاں سے پھر کے آنے کے دو معنی ہیں ایک قریب اور وہ بیت اللہ سے واپس آنا ہے دوسرے بعید اور وہ جاں بلب ہو کر جی جانا ہے اور یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔ اور پہلے معنی کے مناسب لفظ کعبہ مذکور ہے۔ مثال دیگر :-

ہر جز کو کل کے ساتھ کمبنی ہے اتصال دریا سے در جدا ہے پہ ہے غرق آب میں

دیگر :-

سیلاب اشک اپنا گر سر پہ اوج مارے طوفان نوح بیٹھا گوشہ میں موج مارے

۸۔ صنعت عکس | یہ اس طرح پر ہے کہ کلام کے بعض اجزا کو مقدم و مؤخر کر کے دوسرا فقرہ یا مصرع بنا لیتے ہیں اور اس سے علیحدہ معنی پیدا کرتے ہیں یہ صنعت کبھی دو لفظوں میں ادا ہو جاتی ہے اور کبھی دو فقروں میں اور کبھی ایک مصرع یا ایک بیت میں۔ جیسے :۔

وفور اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ   کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار

مثال دیگر :۔

استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان   پانی میں آگ، آگ میں پانی خدا کی شان

دیگر :۔

گلا کٹوا مزے لے لے کے اے دل پھر کہاں یہ دن
کبھی خنجر ہو گردن پر۔ کبھی گردن ہو خنجر پر

دیگر :۔

اُن کو آتا ہے پیار پر غصہ   مجھ کو غصہ پہ پیار آتا ہے

دیگر :۔

بے شکایت نہیں اے ذوق محبت کے مزے
بے محبت نہیں اے ذوق شکایت کے مزے

دیگر :۔

یہ گھر گو کہ میرا ہے تیرا نہیں   پر اب گھر یہ تیرا ہے میرا نہیں

دیگر :۔

کل جو اُٹھے تھے بٹھانے کے لیے آج بیٹھے ہیں اُٹھانے کے لیے

۹۔صنعت لف ونشر | لف کے معنی لغت میں لپیٹنے کے ہیں اور نشر کے معنی پراگندہ کرنے کے ہیں لیکن اصطلاح میں یہ ہے کہ پہلے چند چیزوں کا ذکر کرتے ہیں اس کو لف کہتے ہیں اس کے بعد ہر ایک کے مناسبات ومتعلقات بیان کرتے ہیں اس کو نشر کہتے ہیں۔

اس صنعت کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) **لف ونشر مرتب**:۔اس میں تفصیل ترتیب کے ساتھ ہوتی ہے یعنی جس ترتیب سے لف ہوتے ہیں اس ترتیب سے نشر بھی ہوتے ہیں۔

جیسے شعر:۔

شرکت شیخ وبرہمن سے میسر کعبہ ودیر سے بھی جائیے گا

شیخ وبرہمن لف ہیں اس کے بعد شیخ کے مناسب کعبہ اور برہمن کے مناسب دیر اسی ترتیب سے نشر ہیں۔

مثال دیگر:۔

آتش وآب وباد وخاک نے لی وضع سوز ونم و رم و آرام

اس رخش سے برق وشرر وشعلہ وسیماب

لرزندہ وشرمندہ ودرماندہ وبے تاب

خورشید وسحاب فلک وانجم ومہتاب

سوزاں وخروشاں وسراسیمہ وبے خواب

بازار گل و موج و صبا سر د ہے اس سے　　وہ داغ ہے وہ آب ہے وہ گرد ہے اس سے

اس کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ چند لف کا ذکر کرتے ہیں اس کے بعد اس کے نشر لاتے ہیں۔ پھر انھیں نشروں کو لف قرار دے کر اس کے نشر بھی اسی ترتیب سے بیان کرتے ہیں۔ جیسے یہ شعر:۔

چشم و گوش یار سے دنیا میں تا دعویٰ نہیں
نرگس و گل کو خدا نے کور و کر پیدا کیا

مثال دیگر:۔

عیاں ہے مہر و مہ کا فرق تجھ میں اور یوسف میں
بھلا سونے کے آگے خاک ہو تو قدر چاندی کی

مثال دیگر:۔

نماز صبح و مغرب ہے یہ عاشق کی کہ اٹھ اٹھ کر
بلائیں اس رخ و گیسو کی صبح و شام لیتے ہیں

(ب) لف و نشر غیر مرتب:- اس میں نشر یعنی مناسبات ہر ایک چیز کے بلا ترتیب لف کے درہم برہم مذکور ہوتے ہیں۔ جیسے یہ شعر:۔

رخ و جبین و مژہ اور چشم و ابرو کو　　سنان و بدر و مہ و نرگس و ہلال لکھا
تن و دل و لب و دنداں کو روی گر تیرے　　عقیق و سیم و دُر و سنگ کی مثال لکھا
ذقن کو چاہ زنخداں کو گوش گردن کو　　صراحی سیب و گل و چشمۂ زلال لکھا

(ج) لف و نشر معکوس الترتیب:- اس میں نشر کی ترتیب الٹی ہوتی ہے

کہیں جو زلف اٹھاوے تو منہ نظر آوے   اسی امید پہ گذری ہے صبح و شام ہمیں

۱۰۔صنعت مبالغہ | یعنی کسی امر کو شدت و ضعف میں اس حد تک پہونچا دینا کہ اس حد تک اس کا پہونچنا بعید یا محال ہو تاکہ سننے والے کو یہ گمان رہے کہ اس وصف کا اب کوئی مرتبہ اور بھی باقی رہا۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) تبلیغ۔ یعنی مبالغہ کا اس حد تک پہونچا دینا کہ عقل و عادت دونوں کے نزدیک ممکن ہو۔ جیسے، شعر:۔

وعدہ وصل پہ کی ہم نے عبث جاگ کے صبح

وہ اُسی وقت نہ آتے اگر آنا ہوتا

یہ بات عقل و عادت دونوں کی روسے ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی کے انتظار میں رات بھر جاگے۔ مثال دیگر:۔

پہونچے ہم آرزوے وصل میں نزدیک مرگ

سوجھے ہے مشکل ملاقات بہت دور ہمیں

(ب) اغراق:۔ یعنی مبالغہ قریب العقل و بعید العادت ہو۔ جیسے، شعر:۔

گرگ نے دور عدل میں اس کے   سیکھ لی راہ و رسم چوپانی

ممکن ہے کہ بھیڑیا گوسفند وغیرہ کو نہ مارے اور محافظت کرے مگر عادۃً یہ بات بعید ہے۔ مثال دیگر:۔

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پہ   بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پہ

(ج) غلو:۔ یعنی مبالغہ عقل و عادت دونوں کے نزدیک ممتنع اور محال ہو۔ جیسے۔ شعر:۔

برق پہونچے نہ کہیں دوڑ میں ہمراہ رکاب
گرد کی طرح رہے سایہ کے پیچھے صرصر

بجلی اور ہوا کا گھوڑے کے پیچھے رہ جانا عادت و عقل دونوں کے نزدیک محال ہے۔

مثال دیگر:۔

سب رو رہے تھے زور کو واں سن بھی گھٹ گیا۔
مانند ناف خوف سے سینہ سمٹ گیا

مثال دیگر:۔

چمکے جو تیغ قہر کسی روز جنگ میں
ٹھہرے نہ سایہ خوف کے مارے بدن کے پاس

اُردو شعرا کے کلام میں غلو بہ نسبت تبلیغ و اغراق کے زیادہ ہے۔ لیکن علم بدیع میں تبلیغ و اغراق مبالغہ مقبول ہیں اور غلو محسنات بدیعی میں نہیں ہے اِلّا اس وقت جب مقبول ہو جاوے اور اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(الف) کوئی ایسا لفظ ذکر کریں جس سے وہ مقرون بصحت ہو جاوے مثلاً:۔

اس گلشن ہستی میں عجب سیر ہے لیکن
جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

مقصود یہاں یہ ہے کہ بہار اس گلشن دنیا کی آنکھ کھولنے کے عرصہ میں جاتی رہتی ہے۔ اور یہ بات عقل و عادت دونوں کے خلاف ہے

کہ ایک ساری فصل کا زمانہ عرصہ قلیل میں بسر ہو لیکن جب آنکھ کھلنا گل کی طرح منسوب کیا تو یہ امر صحت سے مقرون ہو گیا کیونکہ گل بعد کھلنے کے ٹوٹ کر گر پڑتا ہے اور یہ امر اس کے واسطے خزاں ہے۔

(ب) بطور حسن تعلیل کے کوئی ایسی دلیل یا مثال لائیں کہ جس سے وہ مقرون بہ صحت ہو جائے۔ مثلاً یہ شعر:۔

عشق کی بھی منزلت کچھ کم خدائی سے نہیں
ایک سا احوال ہے یاں بھی گدا و شاہ کا

عشق کی منزلت اور مرتبے میں مبالغہ غلو کی حد تک پہونچ گیا اور یہ امر قرین صحت کے نہ تھا لیکن جب یہ دلیل پیش کی کہ یہاں بھی گدا اور شاہ کا ایک سا احوال ہے تو وہ صحت کے قریب ہو گیا کیونکہ خداوند عالم کے نزدیک بھی گدا و شاہ برابر ہیں۔

(ج) خیالات نازک و لطیف اس سے ظاہر ہوں جس سے مقبول و پسند طبائع ہو جائے۔

دست یاقوت فشاں دھوئے لب جو وہ اگر
کوہ سیلاں پہ پہنئے خاک قفائے گلزار

یعنی ممدوح اپنے ہاتھوں کو جن سے جواہر جھڑتے ہیں اگر لب جو دھوئے اور پانی ہاتھوں کا ندی میں گرے اور اسی سے گلزار کی آبیاری ہو تو خاک گلزار میں اس قدر یاقوت وغیرہ پیدا ہوں یا یہ کہ وہ خاک بالکل جواہر ہو جائے کہ کوہ سیلاں جو معدن لعل و یاقوت ہے ان پر وہ خاک پہنئے کہتے ہیں

اتنے جواہر کہاں یہ بات عقلاً و عادۃً محال ہے لیکن چونکہ خیالات نازک و لطیف ہیں اس لیے طبیعت کو پسند ہے۔

کاٹا پلک میں آنکھ کو تپلی میں نور کو — پاؤں میں کجروی کو سروں میں غرور کو
سینے میں بغض و کینہ کو دل میں فتور کو — نیت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو
ذات اک طرف مٹا دیا بالکل صفات کو — کیسی زبان زباں میں یہ کاٹ آئی بات کو

(د) مبالغہ بطور ہزل کے ہو کہ وہ بالطبع مرغوب ہوتا ہے۔ سودا گھوڑے کی ہجو میں اس کے ضعف میں مبالغہ کرتے ہیں۔ جیسے۔ شعر:۔

گر باندھ کر سے منزلے سے پھینکیں اسے — ٹھیکے بغیر تین نہ اترے گا زینہار

۱۱۔ صنعت جمع | یعنی کئی چیزوں کا حکم واحد میں جمع کر دینا۔

جیسے۔ شعر:۔

بوئے گل نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل — جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا

تینوں چیزوں کو پریشانی کے ساتھ نکلنے کے حکم میں جمع کر دیا ہے۔

مثال دیگر:۔

واعظ کا روزہ اور مرا ہجر ایک ہے — ہم دونوں پوچھتے ہیں کہ دن کس قدر رہا

شعر دیگر:۔

چرخ و نجوم و شمس و قمر شہر دشت و در — سنگ و معادن و صدف و قطرۂ گہر
اشجار و شاخ برگ و گل و غنچہ و ثمر — رکن و مقام و باب و متا زمزم و حجر

۱۲۔ صنعت تقسیم | چند چیزوں کا اس طرح پر ذکر کرنا کہ ہر ایک چیز کو

اس کے منسوبات پر بقید تعین تقسیم کر دیں اس میں اور لف و نشر میں یہی فرق ہے کہ لف و نشر میں تعین متکلم کی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ سامع خود ہر چیز کے مناسبات کو اس سے متعلق کر لیتا ہے اور صنعت تقسیم میں متکلم خود مناسبات بتا دیتا ہے جیسے :-

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے　　جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا　　غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

مثال دیگر :-

سینے کے داغ سوزاں - آنکھوں کے اشک خونیں
اس نخل عاشقی کے یہ گل ہیں وہ ثمر ہیں

صنعت لف و نشر کی مثال یہ ہے :-

بازار گل و موج و صبا سرد ہے اس سے　　وہ داغ ہے وہ آب ہے وہ گرد ہے اس سے

ان دونوں شعروں کا مقابلہ کرو آخر کے بیت میں وہ وہ کی جو تکرار ہے وہ اسم اشارہ متساوی ہیں اس سبب سے تعین نہیں ہوا لہذا وہ صنعت لف و نشر کی مثال ہے۔ لیکن پہلے شعر میں یہ اور وہ اسم اشارہ متساوی نہیں ہیں بلکہ وہ اشارہ بعید کے لیے ہے اور یہ اشارہ قریب کے لیے پس وہ کا مشار الیہ سینے کے داغ سوزاں ہیں جو ذکر میں بعید ہیں اور یہ کا مشار الیہ آنکھوں کے اشک خونیں ہیں جو ذکر میں قریب ہیں۔ لہذا اس میں تعین ہو گئی اور صنعت تقسیم کی مثال

میں یہ شعر آگیا۔ مثال دیگر:۔

تیرا ہاتھی ہے فلک کا کہکشاں ہے خرطوم
کان دونوں مہ و خور دُم ہے ذنب سر ہے راس

ذنب و راس وہ جس سے ہوں سیہ بخت عدو
ماہ و خور وہ کہ ہوا خواہ ہوں روشن انفاس

اوّل مہ و خور اور ذنب و راس کا ذکر کیا پھر ذنب و راس کی طرف اعدا کا سیہ بخت ہونا بطور تعین کے منسوب کیا اور مہ و خور کی طرف خیر خواہوں کا روشن انفاس ہونا بطور تعین کے منسوب کیا یہ بھی صنعت تقسیم کے قبیل سے ہے کہ ایک ایسی شئی کو جو اجزا رکھتی ہو ذکر کرکے اس کے ہر ایک جزو کو منسوبات پر تقسیم کر دیں۔ جیسے، شعر:۔

چلا آتا ہے تنہا کیا سجیلا میرا قاتل ہے
دہن پان خوردہ آنکھیں سرمگیں رخسار پر تل ہے

صنعت تقسیم کی دو قسمیں اور بھی ہیں:۔

ایک یہ کہ کسی شئی کا احوال بیان کریں اور ہر حال کی طرف ایک ایسی چیز کو جو اس حال سے مناسب ہو۔ مضاف کریں۔

مثال دیگر:۔

بھویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑے ہیں جو یوں بن ٹھن کے بیٹھے ہیں

مثال دیگر:-

غضب کا سامنا ہے آج ہم کو وہ نکھرتے ہیں
دھڑی جمتی ہے مہندی ملتے ہیں گیسو سنورتے ہیں

پہلے شعر میں بگڑنے کی اور دوسرے میں نکھرنے کی حالتیں بیان کی گئی ہیں۔
اور ہر حالت کی طرف اس کے مناسبات کو منسوب کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ ایک شی کا ذکر کرکے اسکی قسمیں بیان کر دیں۔ جیسے، شعر:-

شادی کے شادیانے ترے در پہ نت بجیں   قرنا و طبل و بوق و دہل جھانجھ زیر و بم

مثال دیگر:-

تمھیں چاہا ہے بیشک ہوں اسی تعزیر کے قابل
جگر ہے تیر کے قابل گلا شمشیر کے قابل

مثال دیگر:-

مجھ سا نہ دے زمانے کو پروردگار دل   آشفتہ دل فریفتہ دل بے قرار دل

پہلے شعر میں شادیانے کا ذکر کرکے اس کے اقسام اور دوسرے شعر میں تعزیر کا ذکر کرکے اس کی قسمیں پھر تیسرے شعر میں دل کا ذکر کرکے اس کی قسمیں بیان کی ہیں۔

مثال دیگر، شعر:-

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر   پہونچوں سے ہاتھ شانوں سے بازو تنوں سے سر
قبضے سے تیغ بر سے زرہ ہاتھ سے سپر   برچھی سے پھل کمان سے زہ زین سے جبر

کٹ کٹ کے گرنے والی چیزوں کے تمام قسموں کو تینوں مصرعوں میں مع اس کے مناسبات کے بیان کیا ہے۔

۱۳۔ صنعت جمع و تقسیم | یعنی کئی چیزوں کو ایک حکم میں جمع کرکے ہر ایک کو اس کے مناسبات سے منسوب کر دیں یا پہلے ہر ایک کو اس کے مناسبات کے ساتھ منسوب کرکے ایک حکم میں جمع کر دیں۔ جیسے: شعر:۔

جنت انعام کرکہ دوزخ میں جلا　　وہ رحم تیرا ہے وہ عدالت تیری

جنت کے انعام کرنے اور دوزخ میں جلانے کو خدا کے اختیار میں ہونے کے حکم میں جمع کیا پھر دوسرے مصرع میں ہر ایک کو ایک چیز کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ جیسے: شعر:۔

ہے حیات و موت میں بار گراں بالائے سر

یاں زمیں بالائے سر واں آسماں بالائے سر

مثال دیگر:۔

قضا تیغ دونوں اسی کی طرف ہیں　　یہ قاتل کے آگے وہ بسمل کے پیچھے

مثال دیگر:۔

تجھے اور تیرے دشمن کو صدا ہے اوج عالم میں

تجھے تخت خلافت پر اسے دار سیاست پر

ان شعروں کے پہلے مصرع میں صنعت جمع اور دوسرے میں صنعت تقسیم ہے۔ دیگر شعر:۔

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں
جان پر صدمہ جگر میں درد دل کا حال زار گھر کا گھر بیمار کس کس کے پرستاروں میں ہوں

ان اشعار کے پہلے مصرع میں صنعت تقسیم ہے اور دوسرے مصرع میں ایک حکم میں انھیں چیزوں کو جمع کر دیا ہے کبھی جمع و تقسیم ساتھ ہی ساتھ ہوتے ہیں۔ جیسے شعر:-

کیا کہیں ظالم بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم
چارہ گر سے درد نالاں درد سے دل دل سے ہم

۱۴۔ صنعت جمع و تفریق یعنی دو یا زاید چیزوں کا ایک حکم میں جمع کر کے پھر ان میں کچھ فرق ظاہر کر دیں۔ جیسے شعر:-

صاف آئینہ سا رخسار ہے اس دلبر کا یہ خدا کا ہے بنایا تو وہ اسکندر کا

صنعت تفریق کی مثال میں یہ بیت ہے:-

آئینہ کہاں رخ کو تو کچھ بھی نہ ثنا کی صنعت یہ سکندر کی وہ صنعت ہے خدا کی

اس سے اور مذکورۂ بالا شعر سے مقابلہ کرو۔ آخر کی بیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ آئینہ و رخ ایک حکم میں جمع کیے گئے ہیں لہٰذا وہ صرف صنعت تفریق کی مثال میں لکھا گیا اور پہلے شعر کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ دونوں کو صفائی کے حکم میں جمع کیا ہے۔ اس کے بعد فرق بتایا ہے۔ لہٰذا یہ صنعت جمع و تفریق کے مثال میں لکھا گیا ہے۔ دیگر شعر:-

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت
یہی نقشہ ہے مگر اس قدر آباد نہیں

مثال دیگر:۔

دل مرا آنکھ تری دونوں ہیں بیمار مگر ایک کا حال برا ایک کا حال اچھا ہے

مثال دیگر:۔

نگہ کیا اور مژہ کیا ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اسے تیر قضا اس کو پر تیر قضا سمجھے

۱۵۔ صنعت جمع و تفریق و تقسیم — یعنی کئی چیزوں کو ایک حکم میں جمع کرتے ہیں پھر ان میں فرق ظاہر کرتے ہیں اس کے بعد ہر ایک چیز کو اس کے مناسبات سے منسوب کر دیتے ہیں۔

صورت یار و دل زار ہیں دونوں تاباں آتش عشق سے یہ حسن سے وہ ہے روشن
روشنی اس کی تو پہونچاتی ہے راحت دل کو اور اس آگ سے جاتا ہے جلا اپنا بدن

شعر اول کے پہلے مصرع میں صنعت جمع ہے اور دوسرے مصرع میں صنعت تفریق دوسرے شعر میں صنعت تقسیم ہے۔ اتنی مشکل صنعت کو میر انیس صاحب نے صرف ایک بیت میں بیساختگی سے استعمال کیا ہے۔ مثال دیگر:۔

نکلا اُدھر سے جو وہ اجل کا شکار تھا پیدل ہو یا سوار ہو وہ دو یہ چار تھا

پہلے مصرع میں اجل کے شکار ہونے کے حکم میں فوج سے ہر ایک

نکلنے والے کو جمع کیا ہے پھر اُن نکلنے والوں میں سے پیدل اور سوار کی تفریق کر دی ہے۔ پھر اُن دونوں کو یوں تقسیم کیا ہے کہ پیدل کے دو ٹکڑے ہو جاتے تھے اور سوار کے چار۔

۱۶۔ تاکید مدح بصورت ذم | یعنی تعریف کی تاکید ایسے لفظوں کے ساتھ کرنا کہ وہ ہجو سے مشابہت رکھتے ہوں لیکن اصل میں اُن سے مدح حاصل ہو۔ [اس کو عموماً تاکید المدح بما یشبہ الذم کہتے ہیں ہم نے نام میں آسانی کر دی]۔

جیسے: شعر:۔

بے مہری افلاک سے کیوں خاک بسر ہوں ہاں عیب بڑا یہ ہے کہ میں اہل ہنر ہوں

مثال دیگر:۔

تیرا عدل سارے جہاں پر ہے لیکن رہے ہے ترا ظلم دائم ستم پر

۱۷۔ صنعت تجرید | یہ صنعت اس طرح ہے کہ ایک شئی ذی صفت سے ایک اور شئی اسی طرح کی ذی صفت مبالغہ کی غرض سے حاصل کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ پہلی شئی اس صفت میں اتنی کامل ہے کہ اس سے ایک اور شئی متصف بایں صفت حاصل ہوئی اور یہ اُردو میں کئی طرح سے مستعمل ہوتی ہے۔

(الف) حرف روابط کے ساتھ یعنی حرف نے علامت فاعل وحرف کو علامت مفعول وحرف میں علامت ظرف سے۔ جیسے: شعر:۔

تیرے دنداں سے گئے گوہر غلطاں پیدا لب لعلیں سے ہوئے لعل بدخشاں پیدا

اس شعر میں دانتوں کی صفائی اور لب کی رنگینی میں مبالغہ منظور ہے یعنی یہ دونوں چیزیں اپنے اوصاف میں اس درجہ کامل ہیں کہ اُن سے گوہر و لعل ایسی چیزیں جو ان اوصاف میں بہترین چیزیں ہیں حاصل ہوئی ہیں۔ مثال دیگر :۔

فردوس میں پہونچے جو نجف میں پہونچے جنت دیکھی جو کربلا کو دیکھا

مراد یہ ہے کہ نجف اور کربلا خود فردوس و جنت ہیں لیکن اُن سے اُن کو حاصل کیا ہے۔ گویا فردوس و جنت و نجف و کربلا میں موجود ہیں۔

مثال دیگر :۔

کس کی شمع رخ سے ہے روشن چراغ آفتاب
ان دنوں کچھ آسماں پر ہے دماغِ آفتاب

مثال دیگر :۔

نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب میں دریا وہ دیکھ لے مری چشم پُر آب میں دریا

(ب) بلا واسطہ حرف ربط کے۔ جیسے شعر :۔

یاد جس وقت مدینہ کی فضا آتی ہے سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے

فضائے مدینہ کو خوشگواری میں ایسا کامل قرار دیا ہے کہ اس سے ہوائے جنت کو حاصل کیا ہے مطلب یہ ہے کہ فضائے مدینہ ایسی خوشگوار ہے کہ جب وہ یاد آتی ہے تو سانس سے ہوائے جنت کی کیفیت معلوم ہونے لگتی ہے۔

مثال دیگر :۔

وہ شوخ فتنہ انگیز اپنی خاطر میں سمایا ہے
کہ اک گوشہ ہے صحرائے قیامت جس کے داماں کا

مثال دیگر:۔
دور سے دیکھی جھلک جو عارض پر نور کی
بام جاناں پر نظر آئی تجلّی طور کی

پہلے شعر میں معشوق کے دامن سے صحرائے قیامت کو حاصل کیا ہے اور دوسرے شعر میں معشوق کے عارض پر نور سے طور کی تجلی کو حاصل کیا ہے یعنی یہ دونوں چیزیں اپنی اپنی صفت میں ایسی کامل ہیں کہ اُن سے ایسی ذی صفت چیزیں حاصل ہوئیں ان مثالوں میں واسطہ کسی حرف ربط کا نہیں ہے۔

(ج) کوئی شئے بطریق کنایہ کے حاصل کرتے ہیں۔ جیسے، شعر:۔
آئینہ رہتا ہے کیوں ہر وقت ان کے سامنے
وہ بھی کھو بیٹھے ہیں دل کیا کوئی صورت دیکھ کر

آئینہ دیکھ کر کسی صورت پر دل کھو بیٹھنا ظاہر ہے کہ اپنے اوپر دل کھو بیٹھنا ہے کیونکہ آئینہ میں اپنی صورت نظر آتی ہے پس معشوق سے ایک اور صورت خوب ایسی حاصل کی ہے کہ وہ اس پر عاشق ہوا ہے۔

مثال دیگر:۔
دیکھ روتے مجھے پوچھے ہے وہ آپی ہنسکر   تو نے دل جسکو دیا ہے وہ ستمگار ہے کیا

مثال دیگر:-

ہم چشم تمہارا نہیں دنیا میں کوئی اور　　باریک کمر تنگ دہن اور بڑی آنکھ

(د) کوئی اپنے آپ سے باتیں کرے مثلاً پہلے کسی ایسی شئی کا عزم کرے کہ وہ ممکن الحصول ہو اور پھر اس کو محال سمجھ کر اپنے آپ کو کہے کہ تیری مجال کیا ہے کہ اس کو حاصل کرے۔ اسی قبیل سے یہ ہے کہ شعرا مقطع میں اپنا تخلص ذکر کر کے اپنی ذات سے خطاب کرتے ہیں۔

سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات　　آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہیں مر بھی

۱۸۔ تاکید ذم بصورت مدح | یہ ضد ہے تاکید مدح بصورت ذم (تاکید المدح بما یشبہ الذم) کی یعنی ہجو کی تاکید ایسے الفاظ سے کرنا کہ وہ مدح سے مشابہت رکھتے ہوں لیکن اصل میں مذمت ہو۔ جیسے شعر:-

فلک بے بہرہ آب و خور سے کب رکھے غریبوں کو

سدا کھانے کو غم خونِ جگر پینے کو دیتا ہے

مثال دیگر:-

اسیرانِ قفس پر جب عنایت آپ کرتے ہیں

کسی کو ذبح کرتے ہیں کسی کے پر کترتے ہیں

۱۹۔ صنعت تجاہل عارفانہ | یعنی کسی چیز کی نسبت باوجود علم کے اپنی بے خبری ظاہر کرنا جس سے کوئی فائدہ یا نکتہ منظور ہو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک حرف تردید کے ساتھ دوسرے بغیر حرف تردید کے۔

حرف تردید کے ساتھ جیسے ۔ شعر :۔

ہے ستارہ ذو ذنب یا رُخ ہے زلفِ یار میں
خال ہے خورشید میں یا تل ہے یہ رخسار میں

تجاہل سے غرض رُخ و خال کی تعریف میں مبالغہ ہے۔

بغیر حرف تردید کے جیسے ۔ شعر :۔

صنم کہتے ہیں تیرے بھی کمر ہے   کہاں ہے کس طرف ہے اور کدھر ہے

مثال دیگر :۔

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے   تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

پہلے شعر میں تجاہل سے کمر کی باریکی میں اور دوسرے میں محبوب کے رُخ روشن میں مبالغہ منظور ہے۔

۲۰۔ صنعت توجیہ | اس کو محتمل الضدین بھی کہتے ہیں یعنی کلام میں خواہ وہ مشتمل مدح و ذم پر ہو یا اور کسی پر دو مختلف معنی پیدا ہوں جو ایک دوسرے کی ضد ہوں اور ان میں پہلو دونوں کے برابر ہوں کسی معنی کو ترجیح نہ ہو۔

جیسے ۔ شعر :۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے   دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

مثال دیگر :۔

سر اُڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا   ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو

پہلے شعر کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ دشت اس قدر ویران ہے کہ اس

کو دیکھ کر خوف معلوم ہوتا ہے اور گھر یاد آتا ہے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ
ہم تو اپنے گھر ہی کو سمجھتے تھے کہ ایسی ویرانی کہیں نہ ہوگی مگر دشت بھی اس
قدر ویران ہے کہ اس کو دیکھ کر گھر کی ویرانی یاد آتی ہے۔ پہلی صورت
میں گھر کی آبادی ثابت ہوتی ہے۔ اور دوسری صورت میں اس کی ویرانی
اور دوسرے شعر کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ تیرے سر کی قسم ہے کہ ہم ضرور تیرا سر
اڑا دیں گے دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہم تیرا سر نہیں اڑائیں گے کیونکہ تیرے سر
کی تو ہم کو قسم ہے۔ مثال دیگر:۔

جب سنبھالا اس پری پیکر نے کچھ حسن و شباب
شیعہ سنی ہو گئے ہندو مسلمان ہو گئے

مثال دیگر:۔

فقیر اس کی گلی کا ہوں میں عجب کیا ہے　　جو تاج شاہ ہو کاسہ مری گدائی کا

۲۱۔ صنعت رجوع | ایک شئی کی کوئی صفت بیان کرتے ہیں۔ اور پھر اس صفت
کو باطل کر کے دوسری صفت کی طرف جو پہلے سے بہتر ہو کسی فائدے کی
غرض سے رجوع کرتے ہیں جیسے۔ شعر:۔

اختر سے بھی آبرو میں بہتر ہیں اشک　　اللہ ہے مشتری وہ گوہر ہیں اشک
آنکھوں سے لگا کے انکو کہتے ہیں ملک　　گوہر نہیں نور چشم کوثر ہیں اشک

رجوع سے غرض اشکوں کی مدح میں ترقی ہے۔ شعر دیگر:۔

وہ آنکھیں کہ آہو پہ جادو چلائیں　　نہ آہو پہ جادو پہ جادو چلائیں

مثال دیگر :-

زمیں مثل شنجرف از جوشش خوں   غلط بلکہ شنجرف سے بھی فزوں

۲۲۔ صنعت مزاوجہ | یعنی دو معنی شرط و جزا میں ایسے واقع ہوں کہ جو امر پہلے معنی پر مرتب ہو وہی دوسرے پر بھی ہو جیسے ۔ شعر :-

وہ جو بولیں تو بات جاتی ہے   چپ رہوں میں تو رات جاتی ہے

بولنا اور چپ رہنا دو معنی ہیں ان دونوں پر کسی شئے کا جانا مترتب ہوا ہے۔ یعنی اول پر بات کا اور دوسری پر رات کا۔

مثال دیگر :-

جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوئی   ملنے کے دن جو آئے تو پھر رات کم ہوئی

مثال دیگر :-

روئے جو دل کھول کر ٹکڑے جگر ہونے لگا

اور اگر رونے کو روکا دردِ سر ہونے لگا

۲۳۔ صنعت مشاکلہ | یہ ہے کہ دو چیزوں کا ذکر کریں اور اُن دونوں کو ایک جگہ مذکور ہونے کی مناسبت سے ایک ہی لفظ سے تعبیر کریں۔

زلف سے پاس کہاں اور سرِ دلدار کہاں   ہمنشیں بات وہ کر جس کا ہو کچھ بھی سر پاؤں

جس کا ہو کچھ بھی سر پاؤں کے یہ معنی ہیں کہ جس بات میں کچھ پیچ بھی ہو لیکن زلف اور سر کی مناسبت سے بات میں کچھ پیچ ہونے کو سر پاؤں سے تعبیر کیا ہے۔ مثال دیگر :-

میں جا کے جلی تو کچھ نہیں ہائے ڈر ہے کہ نہ تجھ پہ آنچ آ جائے

مثال دیگر:۔

میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے جسے ابر ہر سال روتا رہے گا

مثال دیگر:۔

کیا کہوں احباب کی آہن دلی پاؤں میں فولاد کی زنجیر ہے

پہلے شعر میں جلنے کی مناسبت سے صدمہ پہونچنے کو آنچ آنے کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور دوسرے شعر میں ابر کے برسنے کو رونا کہا کیونکہ رونے والے کیساتھ اس کا ذکر ہوا ہے اور تیسرے شعر میں زنجیر کی مناسبت سے بے مہری کو آہن دلی کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

۲۴۔ صنعت قول بالموجب | یعنی کسی شخص کے کلام میں کوئی لفظ واقع ہو تو اس لفظ کے معنی کو خلاف مراد اس کہنے والے کے محمول کریں۔ جیسے

شعر:۔

آنکھ لگتی ہے تو کہتے ہیں کہ نیند آتی ہے

آنکھ اپنی جو لگی چین نہیں خواب نہیں

لوگوں کی مراد آنکھ لگنے سے نیند آنا ہوتی ہے شاعر نے آنکھ لگنے کے معنی عاشق ہونا لئے ہیں۔ مثال دیگر:۔

جب کہا مرتا ہوں میں بولے مرا سر کاٹ کر

جھوٹ کو سچ کر دکھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

مثال دیگر:۔

وہ نہ آئیں تو یہ ہو جائے غلط کہ بن آئے نہیں مرتا کوئی

پہلے شعر میں مرنے سے عاشق کی مراد یہ تھی کہ میں تجھ پر شیدا ہوں اور معشوق نے اس سے حقیقی موت مراد سمجھی دوسرے شعر میں "بن آئے نہ مرنے" سے مراد یہ ہے کہ بغیر موت کے آئے کوئی نہیں مرتا اور شاعر نے بن آئے نہ مرنے سے مراد معشوق کے آنے سے رکھی ہے۔

۲۵۔صنعت فقہی | یعنی کلام تمثیل پر مشتمل ہو جس کو فقہا اپنی اصطلاح میں قیاس کہتے ہیں۔ جیسے۔ شعر:۔

ہم آپ کے کوچے سے جو نکلے تو عجب کیا
آدم بھی ہوئے خلد کی تعمیر سے باہر

مثال دیگر:۔

تو کہیں ہو یہ دلِ دیوانہ واں پہونچے ہی گا
شمع ہوئے گی جہاں پروانہ واں پہونچے ہی گا

پہلے شعر میں اپنی ذات کو آدم پر قیاس کیا ہے اور دوسرے شعر میں دل دیوانہ کو پروانے پر قیاس کیا ہے۔

۲۶۔صنعت مذہب کلامی | یعنی کلام مثل متکلمین کے دلیل اور برہان پر مشتمل ہو۔ جیسے۔ شعر:۔

اگر ہم سے نہ ہو ساتھ فکر روزی کا تو آب و دانہ کوئے کر نہ ہو گھر پیدا

اس شعر میں دلیل کی صورت اس طرح ہے کہ اگر عدم سے فکرِ روزی کا ساتھ نہ ہو تو گوہر آب و دانہ کو لے کر نہ پیدا ہو لیکن وہ آب و دانہ کو لے کر پیدا ہوتا ہے اس سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ فکرِ روزی کا عدم سے ساتھ ہے۔ مثال دیگر:۔

جو ناتواں نہ کریں دستگیری دشمن　　تو خار و خس نہ کرے شعلہ کو کبھو برپا

۲۷۔ صنعت استتباع | اس کو المدح الموجہ بھی کہتے ہیں یعنی ممدوح کی تعریف اس طرح کریں کہ اس سے ضمناً دوسری تعریف اور ثابت ہوتی ہو۔

جیسے = شعر:۔

اُٹھتا ہے دستِ گدا سے پہلے اُن کا دستِ فیض
حاجتِ سائل کو بر لاتے ہیں یہ قبل از سوال

ممدوح کی سخاوت کے ساتھ اُس کے روشن ضمیری کی تعریف بھی ہے۔

مثال دیگر:۔

زیرِ ران تیرے ہے وہ توسنِ چالاک کہ تو
چھیڑ دے ایک ذرا اس کو جو وقتِ صفِ جنگ

یوں کرے جست کہ جیسے سرِ میدانِ نبرد
منہ سے اُڑ جائے حریفوں کے ترے خوف سے رنگ

اس قطعہ کے مضمون سے ایک تو یہ تعریف ہوئی کہ ممدوح کا گھوڑا نہایت تیز و چالاک ہے جست ایسی بھرتا ہے کہ جیسے چہرے سے رنگ اُڑتا ہے دوسرے یہ بات نکلتی ہے کہ تو ایسا بہادر ہے کہ تیرے خوف سے دشمن کے

چہرے کا رنگ اڑ جاتا ہے۔

۲۸۔ صنعت تعجب | یعنی کسی چیز پر کسی فائدہ یا غرض کے لیے تعجب ظاہر کرنا جیسے۔ شعر:۔

زخم کھایا زہر کھایا تو بھی کچھ ہوتا نہیں
دیر گذری مرگ کو کیا جانئے کیا ہو گیا

مثال دیگر:۔

ازل سے دشمنی طاؤس و مار آپس میں رکھتے ہیں
دل پُر داغ کو کیونکر ہے عشق اس زلف پیچاں کا

۲۹۔ صنعت ادماج | یعنی کلام سے دو معنی حاصل ہوں اور تصریح دوسرے معنی کی نہ ہو [ایہام اور ادماج میں یہ فرق ہے کہ ایہام میں ایک لفظ دو معنی رکھتا ہے اور ادماج میں پورے کلام کے دو معنی ہوتے ہیں۔ اور توجیہ اور ادماج میں یہ فرق ہے کہ توجیہ بہ نسبت ادماج کے خاص ہے یعنی اس میں کلام سے دو معنی ایسے نکلتے ہیں کہ جو ایک دوسرے کے ضد ہوتے ہیں اور ادماج میں ایک معنی دوسرے معنی کے ضد نہیں ہوتے] جیسے شعر:۔

کیونکر اس بت سے رکھوں جان عزیز   کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

ایک معنی تو یہ ہیں کہ اس سے جان عزیز رکھوں گا۔ تو وہ ایمان لے لیگا۔ اس لیے جان کو عزیز نہیں رکھتا کہ ایمان بچ جائے دوسرے

معنی ہیں کہ اس بت پر جان قربان کرنا عین ایمان ہے پھر اس سے جان کیونکر عزیز رکھی جائے۔ مثال دیگر:۔

سلک گوہر سخن اپنا ہے ولیکن ناسخ — دہن یار کے مانند نہاں کیا کیجئے

دولت اس کی موج زن جیسے محیط — خاک بر سر مدعی جیسے سراب

اُلجھتے تم ہو اگر دیکھتے ہو آئینہ — جو تم سے شہر ہیں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو

۳۰۔ صنعت براعت استہلال | اسے کہتے ہیں کہ نظم یا نثر میں جو واقعہ یا قصہ بیان کرنا منظور ہو۔ اس کا شروع کلام میں اشارہ کر دیں یہ صنعت مثنویوں اور نثر کے قصوں میں اکثر ہوتی ہے۔ اور بعض شعرا قصائد کے شروع میں بھی اس کا التزام کرتے ہیں۔ مثنوی گلزار نسیم میں بکاؤلی کے پھول کے چور کی تلاش میں غائب ہونے اور پتہ لگانے کی داستان کو یوں شروع کیا ہے۔ جیسے:۔

کھلنے پہ جو ہے طلسم تقدیر — اب خامہ نے یوں کیا ہے تحریر

مثنوی معراج المضامین میں ہر معجزہ کے بیان میں یہ صنعت آئی ہے مثلاً ایک مقام لکھا جاتا ہے۔ امام زین العابدین کی نماز میں خلل ڈالنے کی غرض سے شیطان اژدہے کی شکل بن کر آیا ہے لیکن حضرت اسی طور سے مصروف نماز رہے ہیں۔ اس کو اس طرح شروع کیا ہے۔

پلا ساقی تو مینائے افلاک — رجوع قلب سے مجھکو مبارک

نہیں میخانے سے مجھ کو سروکار　　میں ہوں محراب و منبر کا طلبگار
جھکاتا ہے عبث گردن کو مینا　　جھکے سجدے میں سر ہے یہ تمنا
نہ اُٹھے سر کبھی سجدے سے جھک کر　　بلا سے خانقاہ ہو کام اژدر
ہزار آتش فشاں ثعبانِ غم ہو　　ہزار افعی نہاں زیر قدم ہو
نہ جھپکے چشم دل درگاہ حق میں　　نظر ثابت قدم ہو راہ حق میں
کرے جب وار ابلیس اژدہا وار　　زمرد ہو مجھے وہ سنگ دربار
مؤثر ہو نہ دل میں نیش تلبیس　　پھریں الٹے سہام مکر ابلیس
عبادت پیشگانِ نیک اعمال　　حضور قلب مولا کا سنیں حال
نمازی کعبۂ صدق یقیں کے　　مصلے مسجد قلب حزیں کے
مؤذن قصۂ ذکر خدا کے　　مؤلف مدحت آل عبا کے
نماز منقبت سے پا کے فرصت　　ہوئے یوں سجہ گردانِ روایت

انشاء اللہ خاں نے شاہ لندن کی سالگرہ کی تہنیت میں جو
قصیدہ کہا ہے اس کو اس طرح شروع کیا ہے۔

بگھیاں پھولوں کی تیار کرائے ہوئے چمن!
کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانانِ چمن
عالم اطفال نباتات پہ ہو گا کچھ اور
گورے کالے سبھی بیٹھیں گے نئے کپڑے پہن

۱۳۔ صنعت تضمین | یعنی اپنے کلام میں دوسروں کا کلام نقل کرنا۔

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ "آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میرنہیں"
افادہ :- [ان دو صنعتوں کو بعض لوگوں نے صنائع لفظی میں شمار کیا ہے]

۳۲۔ صنعت اقتباس | یعنی اپنے کلام میں آیات قرآنی و احادیث کا بغیر کسی اشارے کے لانا۔

پکارے راستے کے قریے وہ کہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ

۳۳۔ صنعت ایراد المثل | اس کو ارسال المثل بھی کہتے ہیں۔ یعنی شعر میں مثل لاتے ہیں۔ جیسے :- شعر :-

دہان یار سے غنچے کو دعویٰ مثل سچ ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات
بچھر گئی آنکھ بھی ہم سے تری مژگاں کی طرح
یہ مثل سچ ہے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے

مثال دیگر :-
مجھ میں کیا باقی ہے جو دیکھے گا تو آن کے پاس
بدگماں وہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس

۳۴۔ صنعت الہزل الذی یراد بہ الجد | ہزل بفتح اول وسکون زائے معجمہ ولام تمسخر بیہودہ مسخرگی کے معنی میں ہے اور جد بکسر جیم ہزل کی ضد ہے لہٰذا لغوی معنی اس کے یہ ہیں کہ ایسی ہزل جس سے جد مقصود ہو اور یہی معنی اصطلاحی بھی ہیں کہ کلام ظاہر میں بطور تمسخر کے ہو لیکن مراد اس سے ہزل نہ ہو۔

۳۵۔ صنعت تلمیح | یہ صنعت اس طرح ہے کہ شاعر اپنے کلام میں کسی مسئلہ مشہور یا قصے یا واقعات عالم یا اصطلاحات علوم وغیرہ کسی ایسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ جس کے بغیر معلوم ہوئے کلام کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ جیسے :۔

دُرِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی داڑھی
غم گیتی سے مرا سینہ عمرو کی زنبیل

داستان امیر حمزہ ایک فرضی قصہ ہے اس میں لقا ساحروں کا خدا ہے جس سے امیر حمزہ سے لڑائیاں ہوئی تھیں اس کی داڑھی کے ہر ہر بال میں موتی پروئے تھے عمرو امیر حمزہ کے طرفداروں میں ایک کارگزار عیّار ہے اس کے پاس بہت سی عجائب چیزیں ہیں منجملہ اس کے ایک زنبیل بھی ہے۔ اس میں سات ملک آباد ہیں۔ اس میں چاہے جتنی چیزیں ڈال دی جائیں وہ پُر نہ ہوتی تھی۔ یا جیسے شعر :۔

روشنی چاند سے ٹھکرے یہ اسی چاہ سے ہے
چاہ نخشب اسے اب میں کہوں یا چاہ ذقن

تلمیح ہے ایک قصے کی طرف اور وہ یہ ہے کہ حکیم ابن مقنع نے شہر نخشب کے پاس ایک کنواں تیار کرا کے ایک بڑا طاس (لگن) پارے سے بھر وا کے اس میں رکھوا دیا تھا اور انعکاس شعاع قمر سے ایسا عمل کیا تھا کہ آسمان پر دو چاند نظر آتے تھے۔ یا جیسے۔

شعر:-

"اس کی مدد سے فوج ابابیل نے کیا
لشکر تباہ کعبے پہ اصحاب فیل کا"

اس کا قصہ یہ ہے کہ ابرہہ حاکم یمن ایک جرار لشکر لے کر مع ہاتھیوں کے مکّے کی طرف اس غرض سے روانہ ہوا کہ کعبہ کو منہدم کر دے اور بنی کنانہ کو قتل کر ڈالے۔ اس وقت عبد المطلب مع ہمراہیوں کے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ابرہہ کعبے کے گرانے کی غرض سے مع ہاتھیوں کے حملہ آور ہوا۔ اللہ نے ان پر ابابیل کا ایک جھنڈ بھیجا جو اس لشکر پر کنکریاں برسانے لگا۔ جس پر وہ کنکری پڑتی تھی وہ اسی مقام پر رہ جاتا تھا۔

۳۶۔ صنعت استخدام | ایک لفظ ایسا کلام میں لائیں جس کے دو معنی ہوں اور ان میں سے ایک معنی مراد ہوں پھر اسی کلام میں ضمیر راجع ہونے کی وجہ سے دوسرے معنی بھی لے لیے گئے ہوں۔

"نہ اس گلی میں اڑا اے صبا غبار مرا — کہ اس کا خاطر دلدار میں کبھی گھر تھا"

یا:-

زبان دیکھ عدو کو کہہ تو وہ شئے ہے — ترے دہن میں ہے یا مرے دہن میں ہے

یا:-

مجھ سے تو فرمایا تمھیں کو داغ کہتے ہیں — تمھیں ہو ماہ کامل میں تمھیں ہیرے ہو لالے میں

پہلے شعر کے پہلے مصرع میں غبار سے مراد خاک ہے۔ پھر دوسرے مصرع میں اس کی طرف ضمیر غائب جو راجع ہے اس سے کدورت کے معنی لیے گئے ہیں۔
دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں زبان دینے سے مراد وعدہ کرنا ہے۔ اور دوسرے مصرع میں زبان سے مراد ایک عضو ہے اور یہ معنی ضمیر غائب سے حاصل ہوئے۔ تیسرے شعر کے پہلے مصرعہ میں داغ سے شاعر کا تخلص مراد ہے۔ اور دوسرے مصرع میں اس داغ سے نشان کے معنی مراد لیے گئے ہیں۔ اور یہ معنی مخاطب کی ضمیر سے حاصل ہوئے ہیں۔
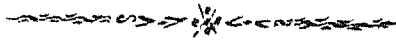
باب سوم۔ اقسام نظم و نثر

فصل اوّل۔ نظم

شعر و نظم شعر کے معنی لغت میں جاننے کے ہیں۔ کیونکہ اسی مادّہ سے شعور کا لفظ بھی ہے۔ مگر اصطلاح ادب میں (فضول بحث و اختلافات کو چھوڑ کر) نظم اور شعر، اُس (بامعنی) کلام کو کہتے ہیں جو مقررہ اوزان و بحور میں ہو۔ بالقصد نظم کیا گیا ہو۔ اور مضمون و مقصود میں تخیل کا تصرف بھی ہو۔
نظم اور شعر میں اصل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں بلکہ ابتدائً صرف ایک ہی لفظ نظم کا مستعمل تھا اور ایک بیت کو بھی عموماً شعر کہتے ہیں البتہ اصطلاح ادب میں ایک فرق ہے۔
نظم :۔ (بامعنی) کلام ہو۔ موزوں ہو۔ کسی چیز کا بیان مسلسل ہو۔ مثلاً مناظر قدرت وغیرہ۔
شعر :۔ (بامعنی) کلام ہو۔ موزوں ہو۔ مضمون میں تخیل کا عمل ہو اُس میں متفرق مضامین کہے جائیں۔ اُس سے جذبات پر اثر پڑے۔
پس یوں سمجھو کہ شعر ایک قسم ہے نظم کی۔ قافیہ ہمارے نزدیک مطلق شعر کے لیے ضروری نہیں بلکہ شعر کے عوارض میں سے ہے چنانچہ غزل

قصیدہ، قطعہ اور رباعی کے درمیان کی اگر الگ الگ ایک بیت لیں تو وہ بامعنی موزوں اور مخیّل کلام بھی ہوگا اور محرک جذبات بھی ہے تو صرف قافیہ کے نہ ہونے سے ہم اُسے شعر کے حدود سے خارج نہیں کریں گے البتہ مفرد بیت کے لیے قافیہ ضروری ہوگا۔

افادہ:۔ شعر میں اصل شئ تحریک جذبات اور تاثیر ہے اور یہ چیز بیشتر تخییل کے عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی دو چیزیں یعنی تاثیر اور تخییل اس کی روح اور جان ہیں۔ اس اعتبار سے بعض وقت بعض پُرتاثیر اور مخیّل نثر اور انشا کو بھی شعر کہہ دیتے ہیں۔ یہ اصلیت کے اعتبار سے تو صحیح ہے مگر اصطلاح ادب کے اعتبار سے غلط ہے اصطلاح میں اسی لیے شعر کے واسطے چند قیدیں بڑھائی گئیں۔ مثلاً (بامعنی) کلام کا مطلب یہ ہے کہ اس کے معانی میں بھی ترتیب ہو۔ اور الفاظ کسی متعین اور موافق عقل مضمون کو بتائیں۔ الفاظ کو بے معنی نہ موزوں کر دیا جائے جیسے یہ اشعار ہیں:۔

مرکز محور گردوں بہ لب آب نہیں	ناخن قوس قزح شبہہ مضراب نہیں
ٹوٹی دریا کی کلائی زلف الجھی بام میں	آدمی مخمل میں دیکھے مورچے بادام میں

اور موزون ہونے یا مقررہ اوزان و بحور میں موزوں ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ پرتاثیر اور پرتخییل نثر نکل جائے مثلاً۔ شبلی۔ ابوالکلام۔ سجاد انصاری وغیرہم کی نثریں۔ نیز ہندی کے دوہوں

وغیرہ کی طرح موزوں نہ ہوں۔ بالقصد[۳] نظم کیا گیا ہو، کا مطلب یہ ہے کہ بعض وقت نثر کے جملے بلا قصد اس طرح منہ سے نکل جاتے ہیں۔ جو اتفاق سے کسی نہ کسی بحر کے وزن میں ہوتے ہیں۔

ہر شخص سے ایسا ہونا ممکن ہے۔ خود قرآن شریف کی چند ایک آیتیں اتفاق سے کسی وزن میں ہیں۔ اسی طرح رسول اللہؐ کے دو ایک ارشادات بلا قصد موزوں ہیں تو ان کو فن ادب کی اصطلاح میں شعر نہ کہیں گے۔ نظم و شعر کے لیے مشترک قیود یہی ہیں اس کے بعد جو قیدیں ہیں وہ نظم اور شعر کے باہمی فرق کے لیے ہیں۔

اصناف نظم | کلام موزوں کی کل دس قسمیں ہیں۔ غزل[۱]۔ قصیدہ[۲]۔ مثنوی[۳]۔ مسمط[۴]۔ قطعہ[۵]۔ رباعی[۶]۔ ترکیب بند[۷]۔ ترجیع بند[۸]۔ مستزاد[۹]۔ فرد[۱۰]۔

۱۔ غزل

لغت میں غزل یا تغزل کے معنی، عورتوں اور محبوبوں کے ذکر کے ہیں لیکن اصطلاح ادب میں غزل وہ صنف نظم ہے جس میں حسب ذیل داخلی اور خارجی امور ہوں۔

داخلی امور۔ (۱) ہر شعر علیحدہ مضمون رکھتا ہو [بعض غزلیں ایسی بھی ہیں جس میں مضمون مسلسل ہوتا ہے اس کو غزل مسلسل کہتے ہیں]

(۲) خیالات عشق و محبت اور اس کے لوازم مثل ہجر، شکوہ، بیتابی، رشک وغیرہ ہی کے ہوں خواہ سادہ خواہ دقیق اور رنگین۔ خواہ عشق و محبت

پر فلسفیانہ نظر۔ مگر خشک فلسفہ کے مسائل یا کسی جنگ اور واقعہ کو سادگی سے نظم کرنا نہ ہو۔

(۳) چونکہ اپنے محسوسات یعنی عشق و محبت۔ بیخودی اور دردمندی۔ وسپردگی کا ذکر ہوگا۔ اس لیے الفاظ بھی نرم۔ رنگین۔ لطیف ہوں (کیونکہ الفاظ خیالات کے تابع ہیں)، صفائی اور سلاست ہو۔ الفاظ سے دردمندی عاجزی ظاہر ہو مگر سوز و گداز کا مطلب رونا اور بسورنا نہیں ہے۔

(۴) وعظ و نصیحت کو چونکہ تاثیر میں خاص دخل ہے۔ اس لیے غزل کے حدود میں یہ چیزیں بھی داخل ہیں مگر رنگ غزل کا غالب ہو وعظ کا نہیں۔

(۵) عشق کی ہم شکل ایک چیز ہوس (عیاشی) ہے اس کے حالات کا ذکر سخت ممنوع ہے۔ اس سے سوسائٹی کا اخلاق خراب ہوتا ہے۔

خارجی امور:۔ (۱) کم سے کم پانچ شعر اور زیادہ سے زیادہ پچیس شعر ہوں، اس سے زیادہ بھی بعض لوگ جائز رکھتے ہیں مگر وہ قاعدہ نہیں بن سکتا۔

(۲) تمام اشعار ایک ہی وزن اور قافیہ میں ہوں۔

(۳) پہلا شعر دو قافیے رکھتا ہو یعنی اس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہو۔ اس شعر کو مطلع کہتے ہیں۔ مطلع عموماً ایک ہوتا ہے۔ لیکن کچھ لوگ دس دس مطلع بھی لکھتے ہیں مگر یہ مستحقی کوشش قاعدہ سے

اندر نہیں۔

(۴) مطلع زوردار اور دلکش ہو اور اس کے بعد کا کم سے کم ایک شعر اور بھی زوردار ہو تاکہ پہلے شعر کی بلندی کے بعد اکبارگی پستی نہ آجائے اس کا مطلع ہونا لازمی نہیں اس کو حسنِ مطلع کہتے ہیں۔

(۵) سب سے آخری شعر میں (اُردو اور فارسی میں) شاعر کا تخلص بھی ہو اس شعر کو مقطع کہتے ہیں۔

افادہ:- (۱) مقطع کے قبل کے شعر کو آخری شعر کہتے ہیں اور غزل کا سب سے بہتر شعر بیت الغزل کہلاتا ہے۔

(۲) عربی میں (جو اُردو اور فارسی شاعری کا ماخذ ہے) غزل علیحدہ کوئی صنف نظم نہیں۔ وہاں قصیدہ اصل شئی تھا اُس میں پہلا حصہ تشبیب۔ نسیب۔ (قصیدہ کی تمہید) کہلاتا تھا اور وہ مخصوص تھا۔ شباب و عشق کی داستان۔ اور حسینوں کے بیان کے لیے یہ حصہ ختم ہوتا تھا۔ اُس شعر پر جو تمہید کو اصل مدح سے ملاتا تھا۔ اس شعر کو گریز یا مخلص کہتے تھے چونکہ قصیدہ کا یہ حصہ (تشبیب سے لے کر مخلص تک) عموماً دلکش اور ہر دلعزیز تھا اس لیے پہلے فارسی والوں نے (پھر اُردو والوں نے) اتنا حصہ قصیدہ سے الگ کر کے اس کا نام غزل رکھا۔ جس کے آخری شعر میں بجائے مخلص کے مضمون کے تخلص ہونا ضروری قرار پایا۔ پس غزل اصل صنف نظم نہیں۔

(۳) اُردو میں تخلص کبھی نام کا جزو ہوتا ہے۔ جیسے اصغر حسین کا تخلص اصغر اور کبھی نام سے الگ ایک جدا گانہ مختصر نام جیسے علی سکندر نام اور تخلص جگر۔ بعض لوگ فارسی میں ایک تخلص اور اُردو میں دوسرا تخلص رکھتے ہیں جیسے نواب مصطفےٰ خاں کا تخلص فارسی کلام کے لیے حسرتی اور اُردو میں شیفتہ تھا۔

(۴) محبوب کے لیے (خواہ وہ مرد ہوں یا عورت) ضمیریں ہمیشہ مذکر لاتے ہیں گو بعض وقت بعض خصائص سے محبوب کا مذکر یا مونث ہونا ظاہر ہوتا ہو۔

مثال غزل مسلسل

میں نے کہا کہ دعوئے الفت مگر غلط ۔۔۔ کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط

تاثیر آہ و زاریِ شب ہائے تار جھوٹ ۔۔۔ آوازۂ قبول دعائے سحر غلط

سوزِ جگر سے ہونٹ پہ تبخالہ افترا ۔۔۔ شور فغاں سے جنبش دیوار و در غلط

ہاں سینے سے نمایش داغ درونِ دروغ ۔۔۔ ہاں آنکھ سے تراوش خونِ جگر غلط

آجائے کوئی دم میں تو کیا کچھ نہ کیجئے ۔۔۔ عشق مجاز و چشم حقیقت نگر غلط

بوس و کنار کے لیے یہ سب فریب ہیں ۔۔۔ اظہار پاکبازیِ ذوقِ نظر غلط

لو صاحب آفتاب کہاں اور ہم کہاں ۔۔۔ احمق نہیں ہم اس کو نہ سمجھیں اگر غلط

سینے میں اپنے جانتے ہو تم کہ دل نہیں ۔۔۔ ہم کو سمجھتے ہو کہ ہے ان کی کمر غلط

مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی — جانِ عزیز پیشکشِ نامہ بر غلط
پوچھو تو کوئی مر کے بھی کرتا ہے کچھ کلام — کہتے ہیں جان دی ہے سرِ رہگذر غلط
ہم پوچھتے پھرے ہیں کہ جنازہ کدھر گیا — مرنے کی اپنے روز اڑائی خبر غلط
آیت نہیں حدیث نہیں جس کو مانیے — ہے نظم و نثرِ اہلِ سخن سر بسر غلط
یہ کچھ سنا جواب میں ناظم ستم کیا — کیوں یہ کہا کہ دعوئے الفت مگر غلط

مثال غزل غیر مسلسل

نگہ اس کو فریبِ نرگسِ مستانہ آتا ہے
الٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی
گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے

فراقِ یار میں دل پر نہیں معلوم کیا گزری
جو اشک آنکھوں سے آتا ہے سو بیتابانہ آتا ہے

بگولے کی طرح کس کس خوشی سے خاک اڑاتا ہوں
تلاشِ گنج میں جو سامنے ویرانہ آتا ہے

سمجھتے ہیں مرے دل کی، وہ کیا نافہم و ناداں ہیں
حضورِ شمع بے مطلب نہیں پروانہ آتا ہے

طلبِ دنیا کی کرکے زن مریدی ہو نہیں سکتی
خیالِ آبروئے ہمتِ مردانہ آتا ہے

ہمیشہ فکر سے یاں عاشقانہ شعر ڈھلتے ہیں
زباں کو اپنے بس اک حسن کا افسانہ آتا ہے

تماشا گاہ ہستی میں عدم کا دھیان ہے کس کو
کسے اس انجمن میں یادِ خلوت خانہ آتا ہے

زیارت ہو گی کعبہ کی یہی تعبیر ہے اس کی
کئی شب سے ہمارے خواب میں بت خانہ آتا ہے

عتاب و لطف جو فرماؤ ہر صورت سے راضی ہیں
شکایت سے نہیں واقف ہمیں شکرانہ آتا ہے

خدا کا گھر ہے بت خانہ ہمارا دل نہیں آتش
مقامِ آشنا ہے یاں نہیں بیگانہ آتا ہے
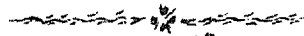
۲۔ قصیدہ

یہ ایک مستقل صنفِ نظم ہے اس کے لغوی معنی موٹے گودے اور گاڑھے مغز کے ہیں مگر اصطلاحِ ادب میں قصیدہ اس صنفِ نظم کو کہتے ہیں جو کسی مقصد سے کہی گئی ہو۔ جس میں حسبِ ذیل داخلی اور خارجی امور ہوں :-

داخلی امور:۔ (۱) کسی کی مدح یا ہجو ہو یا وعظ و پند، یا تعریف بہار یا شکایت روزگار وغیرہ ہوں۔

(۲) شعروں میں ایک سلسلۂ خیال ہو۔

(۳) دقیق مضامین۔ اور بلند خیالات ہوں۔

(۴) چونکہ اس میں اپنے محسوسات نہیں بلکہ اپنے خیالات کا زور دکھاتے ہیں اس لیے الفاظ پر شوکت، لہجہ حاکمانہ اور فلسفیانہ ہونا چاہیئے۔

(۵) اصل مقصود یعنی مدح و ہجو سے قبل شروع میں دلکش مضمون ہونا چاہیئے۔ یہ عموماً عشق و محبت کی داستان ہوتی ہے۔ اس کو تشبیب (ذکر شباب) کہتے ہیں (یہی حصّہ الگ کر لیا گیا جس کا نام غزل ہے)

(۶) گریز یعنی تشبیب سے اصل مقصود کی طرف رجوع۔ اس کو بہت ہوشیاری سے لکھنا چاہیئے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کوئی دوسری بات نہیں بلکہ اسی تمہید کا جزو اور اسی خیال سے مسلسل ہے۔

(۷) اصل مقصود یعنی مدح اور ہجو۔ مدح میں ممدوح کی ذات، صفات گھوڑے ہاتھی تلوار وغیرہ کی تعریف ہو۔

(۸) خاتمہ جس میں ختم کلام اور دعا ہو۔ یہ حصّہ بھی اچھا ہونا چاہیئے۔

خارجی امور:۔ (۱) کم سے کم پندرہ اشعار اور زیادہ کی حد معیّن نہیں۔ عموماً ایک سو بیس اشعار مانتے ہیں۔

(۲) غزل کی طرح تمام اشعار ایک ہی ردیف و قافیہ میں ہوں۔

(۳) پہلا شعر مطلع ہو جس میں دونوں مصرعوں میں قافیہ ہو۔ مطلع کا پُرزور ہونا ضروری ہے۔ قصیدہ میں بھی کئی مطلع ہو سکتے اور ہوتے ہیں مگر وہ غزل کی طرح یکے بعد دیگرے اشعار میں نہیں ہوتے بلکہ اثناء تشبیب یا مدح میں پھر ایک نیا مطلع کہیں اس طرح ایک قصیدہ میں کئی مطلع ہو سکتے ہیں مگر ہر نئے مطلع سے پہلے کے شعر میں اس کا اشارہ ضروری ہے۔

(۴) ممدوح کو عموماً غائب کے صیغوں میں ذکر کرتے ہیں۔ کبھی حاضر ملنتے اور حاضر کی ضمیریں استعمال کرتے ہیں۔ البتہ ضمیر غائب ذکر کرتے کرتے ضمیر خطاب جب ذکر کرتے ہیں تو کبھی لفظ "مدح حاضر" کہہ کر اس کا اشارہ بھی کر دیتے ہیں۔

(۵) بندش میں صنعت اور تکلف ہونا چاہیئے۔

افادہ:- (۱) قصیدے اپنے ردیف سے مشہور ہوتے ہیں مثلاً حرف آخر لام ہو تو لامیہ۔ میم ہو تو میمیہ۔

(۲) قصیدوں کے نام مضمون کے لحاظ سے بھی رکھے جاتے ہیں۔ مثلاً عام مدح ہو تو مدحیہ۔ ذکر بہار ہو تو بہاریہ۔ بیان عشق ہو تو عشقیہ اور اظہار فخر و مباہات ہو تو فخریہ۔

(۳) اگر قصیدے میں چاروں اجزائے قصیدہ [تشبیب[۱]۔ گریز[۲]۔ مقصود[۳]۔ خاتمہ[۴]] موجود ہوں تو اس کو قصیدہ تمہیدیہ کہتے ہیں۔ اور اگر ابتدا ہی سے بغیر تشبیب و گریز کے اصل مقصود شروع کر دیں

تو اس کو خطابیہ کہتے ہیں۔ مثال ہے

قصیدہ تمہیدیہ :-

شب کو میں اپنے سرِ بسترِ خوابِ راحت | نشۂ علم میں سرمستِ غرور و نخوت
مزے لیتا تھا پڑے علم و عمل کے اپنے | تھا تصور مرا ہمراہ مرے تصدیق صفت
ہو گیا علم حصولی تھا حضوری مجھ کو | تھا مرا ذہن نہ محتاج حصولِ صورت
جو مسائل نظری تھے وہ بدیہی تھے تمام | عقل کو تجربے کی اتنی ہوئی تھی کثرت
نہ غرض مجھ کو نتیجے سے نہ کچھ شکل سے کام | تھی مری فکر کو ہر شکلِ خطا سے عصمت
ذہن میں سب مرے حاضر تھے صورِ علمیہ | پر جتانی نہ تھی منظور مجھے علمیت
چار و ناچار جو ترغیب سے یاروں کی کبھی | درس و تدریس پہ آ جاتی تھی مجھ کو رغبت
کبھی ہمت تھی مری قاعدۂ صرف میں صرف | کبھی تھی نحو میں ہر نحو مجھے محویت
کبھی منطق کو تفوق یہ مرے ناطقے سے | تحتِ حکمت ہو یہ فن گرچہ ہے تحتِ حکمت
کبھی میں کرتا تھا تصریح معانی و بیاں | کبھی میں کرتا تھا توضیح نجوم و ہیئت
کبھی تھا علمِ الٰہی کی طرف ذہن رسا | کبھی کرتی تھی طبیعی میں طبیعت جودت
کبھی تھا عقل پہ مذہب مرا مانند حکیم | کبھی شغلِ متکلم مجھے پاسِ ملت
کبھی کرتا تھا قدم چرخ کا ثابت بجہات | اور کبھی کرتا تھا باطل یہ سماء الشفقت
کبھی انکارِ قیامت پہ میں لاتا تھا دلیل | کبھی تکرارِ تناسخ پہ مجھے سو حجت
حشرِ اجساد میں تھا گاہ تردد مجھ کو | کبھی تھی عالمِ برزخ میں مجھے اک حیرت

کبھی تھی عرصۂ تار و پر فلک کی مجھے سیر
کبھی میں ناپتا تھا سطح زمیں کی وسعت

کبھی ثابت مرے نزدیک فلک کی گردش
کبھی مثبت مرے نزدیک زمیں کی حرکت

کبھی میں کرتا تھا اعراض میں جوہر قائم
کبھی میں کرتا تھا معلول سے ثابت علت

کبھی منقول پہ مائل کبھی سوئے معقول
کبھی میں فقہ پہ راغب کبھی سوئے حکمت

کبھی کرتا تھا مجسطی پہ حواشی تحریر
کبھی کرتا تھا اشارات و شفا کی صحت

کبھی میں کرتا تھا قانون سے تشریح علاج
کبھی میں کرتا تھا قاموس میں تصحیح لغت

کبھی مشائیوں سے کرتا تھا میں پیش روی
کبھی لیجاتا تھا اشراقیوں پر میں سبقت

کبھی میں نفی حقائق میں تھا سوفسطائی
کبھی میں معتزلی باعث رد رویت

گہ ملاحد کی تھی تردید کلام الحاد
گہ وجودی و شہودی سے بیان وحدت

کبھی میں شیخ و شیوخ اور کبھی شیخ رئیس
کبھی علامہ کبھی صوفی صافی طینت

مائل موسیقی ایسا کہ ادا کرتا تھا
کبھی میں بارہ مقام اور کبھی چاروں مت

کبھی میں شاعر غرا و ادب دان بلیغ
نظم میں نام مرا نثر میں میری شہرت

کبھی میں ناظر انجیل و زبور و توریت
کبھی مصحف میں نظر میری سراسر آیت

کبھی زردشتیوں میں ایسا کہ سارے موبد
ژند و پاژند میں کرتے تھے مری تبعیت

کبھی یہ آگہی شاستر و بید و پران
کروں اک بات سے پنڈت کی کتھا میں کھنڈت

آخرش دیکھا تو العلم حجاب اکبر
عاقبت پایا تو ہاں ابلہ کہ اہل جنت

فائدہ کیا جو ہر اک علم کی جانی تعریف
فائدہ کیا جو ہر اک فن کی کھلی ماہیت

بے مقدر نہ پڑے صورت بہبود نظر
دور آئینۂ دل سے نہ ہو زنگ کلفت

علم سے لاکھ ہو شیخی تری پر بے تقدیر — نہ کہے کوئی تجھے شیخ علیہ الرحمت
یہ مقالات مثال قصص مصنوعہ — ہوے اکبار جو افسانۂ خواب غفلت
لگ گئی آنکھ مری دیکھتا کیا خواب میں ہوں — کہ مجسم نظر آتی ہے نوید بہجت
اللہ اللہ رے حسن اُس کا کہ سر تا بہ قدم — تھا وہ خالق کا تماشائے ظہور قدرت
چینئی رنگ کا وہ اپنے دکھا کر عالم — ایک عالم کا ہو دل لیکے بغل میں جینت
آ گئے اُس رشک مسیحا نے کہا بالیں پر — لا تنم قم کہ یہ غافل نہیں وقت غفلت
دیکھ تو کیا افق مشرق انوار سے ہے — جلوہ افروز رخ یا تو بے صبح عزت
چرخ مینائی پر اک سبز پری کا عالم — شفق صبح پر اک لال پری کی حالت
دی ہے مسجد میں موذن نے اذاں بہر نماز — با وضو ہو کے نمازی نے ہے باندھی نیت
ہوئی بتخانے سے ناقوس کی پیدا آواز — چلے جمنا کو برہمن کوئی لے کر مورت
سحر عید ہے کر عید کا سامان نشاط — روز شادی کی ہے آمد شب غم کی رخصت
فکر کر تہنیت عید کا اُس شاہ کی تو — دور میں جس کے ہے ہر صبح صباح دولت
وہ شہنشاہ بہادر شہ کسرے انصاف — خسرو جم خدم و داور دارا حشمت
قوت ملت دیں قامع کفر و الحاد — حامی شرع نبی ماحی شرک و بدعت
کون اُس کا نہیں وصاف صفات نیکو — کون اُس کا نہیں سرگرم ثنا و مدحت
سنتے ہی ہیں کے بھی وہ مطلع روشن لکھا — مطلع صبح کو ہو سننے سے جس کے خجلت

مطلع ثانی

مصحفِ رخ ترا اے سایۂ ربّ العزت
کھول دے معنیٔ اتممتُ علیکم نعمت

تیرا دروازۂ دولت ہے مقامِ امید
تیرا ایوانِ عدالت ہے محلِ عبرت

تیرے عشرت کدے میں دخل کسے غیر نشاط
تیرے خلوت کدے میں بار کسے جز طاعت

صفحۂ ظلم پہ ہر چیں سے تو ہم زانو
حجلۂ عیش میں ناہید سے تو ہم صحبت

ماہ نو ایک فلک پر ترے نوبردوں میں
نو فلک نوکروں میں تیرے قدیم الخدمت

کیسۂ گوہرِ انجم ترا صرفِ انعام
طاقۂ اطلسِ گردوں ترا وقفِ خلعت

نیتِ نیک تری آئینۂ حسنِ عمل
عملِ خیر ترا جلوۂ حسنِ نیت

تجھ سے راضی ہے خدا اور خدا کا محبوب
تیرا حامی ہے نبی اور نبی کی عترت

کیا اللہ نے حبیب تجھ سا ولی نعمتِ خلق
کیونکہ واجب نہ خلائق پہ ہو شکرِ نعمت

نطقِ شیریں سے ترے عام حلاوت ہو اگر
ثمرِ تلخ ہو حنظل کا سبو سے شربت

آئے طوفاں جو ترے قہر کا طغیانی پر
کشتیٔ نوح بھی اعدا کو ہو گردابِ صعوبت

وہ تری تیغ کی برش ہے کہ سایہ جس کا
کرے اک دم میں ہیولے سے مفارق صورت

آسیا وار پھرے کیوں نہ فلک گرد زمیں
تیرے توسن کے جو کاوے کی اڑا جا پھرت

کیا ترے فیل کے اوصاف لکھوں میں کہ وہ ہے
ابر رفتار جبل پیکر و گردوں رفعت

اس کی خرطوم ہے گر طرۂ لیلیٰ کی مثال
تو ہیں دندان صفا ساعدِ سلمیٰ کی صفت

آبِ بارانِ کرم تیرا ہے وہ شربتِ خضر
برسے لالے پہ تو افیون میں ہو سمیت

عدل کے لفظ کو دیتا نہیں نقطہ کوئی — عدل سے تیرے جو موقوف ہے رسم رشوت
دور انصاف میں گر تیرے ہو کشتہ سیماب — تو بلا شبہ پڑے دینی مہوس کو دیت
عید کو دیکھ ترے ساتھ خلائق کا ہجوم — کہے عارف کہ یہ کثرت میں ہے پیدا وحدت
منتہی ہوں نہ کبھی تیری صفات نیکو — گر بیاں کیجیے تا حشر صفت بعد صفت
ذوق کرتا ہے دعائیہ پہ اب ختم سخن — کہ زباں کو ہے نہ یارا نہ قلم کو طاقت
عید ہر سال مبارک ہو تجھے عالم میں — با شکوہ و حشم و جاہ و نعم و صحت
خیر خواہوں کے ترے چہرے پہ ہو رنگ نشاط — اور بد خواہوں کے رخسار پہ اشک حسرت

۲- قصیدہ خطابیہ | خطابیہ یا مجردیہ اس کو کہتے ہیں کہ ابتدائے قصیدے مدح یا ہجو وغیرہ یا جو اصل مطلب ہو شروع کر دیا جائے اور تمہید نہ کہی جائے۔ مثال اس کی شہیدی کا یہ قصیدہ ہے جس کے منتخب شعر بنظر اختصار لکھے جاتے ہیں۔

طلوع روشنی جیسے نشاں ہو شہ کی آمد کا — ظہور حق کی حجت ہے جہاں میں نور احمد کا
دبستان ازل میں وہ معلم عقل کل کا تھا — نہ تھا نام و نشاں جن روز و م اس لوح زبرجد کا
عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا — عرب میں شور اٹھا جس دم اسکی آمد آمد کا
چمن پیرائے کون فرش اسکی بزم رنگیں میں — بہار آفرینش ایک بوٹا اسکی مسند کا
شرف حاصل ہوا آدم اور ابراہیم کو اس سے — نہ تنہا فخر عالم فخر تھا اپنے اب و جد کا
شب و روز اسکے صاحبزادوں کا گہوارہ جنباں تھا — عجب منصب یہ تھا روح الامیں کی بھی خوشامد کا
وہ اس عالم میں رونق بخش تھا جو رونق تسکیں کو — گیا جنت میں طوبیٰ ان کے سایہ اس سہی قد کا

شب معراج چڑھکر عرش پر دم میں اُتر آیا — بیاں اُس قلزم معنی کے کیا ہو جزر اور مد کا

گذر وحدت سے کثرت میں نہ ہوتا ذات مطلق کو — نہ پڑتا صفر گر نقش احد میں میم احمد کا

بھروسا ہر کسی کو اک حصار عافیت کا ہے — تجھے نام مبارک کا ہے ذوالقرنین کو سد کا

ترے پابوس سے ہے ہفتم فلک پر منزل کیواں — ترے سجدے سے ہے ہم آسماں پر فرق فرقد کا

اُدھر اللہ سے واصل اُدھر مخلوق میں شامل — خواص اُس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدد کا

بٹینگے جس گھڑی عشرت کے سامان بزم جنت میں — کھلیگا حال امت کو ترے انعام بیحد کا

خدا بن مانگے کیا کیا نعمتیں دیتا ہے بندوں کو — ترا دست دعا ضامن ہے جب کل کے مقصد کا

رہا کعبے میں جو تیرے در کے روضے پر نہ جا پائی — اسی اندوہ سے رنگ تیرہ سنگ اسود کا

لب گوہر فشاں وا ہونگے جب عرض شفاعت کو — تماشا گاہ محشر میں کھلینگے نیک ہمہ بد کا

عدو کو حشر تک انکار ہو تیری رسالت میں — محل باقی رہا ہے اللہ کے قول مؤکد کا

تری تعریف سے میری زباں میں آ گئی ہے تیزی — صفاہاں تک مسخر ہوگا اس تیغ مہند کا

بٹھینگے مثل تقویم کہن دیواں ہزاروں کے — ہوا عالم میں شہرہ میرے اشعار مجدد کا

ہوئی ہے ہمت عالی مری معراج کی طالب — میسر ہو طواف اے کاش مجھکو تیرے مرقد کا

کبھی نزدیک جاکر آستانے پر ملوں آنکھیں — کبھی میں دور بیٹھوں اور کروں نظارہ گنبد کا

مدینے کی زمیں کے گر نہ لائق ہو مرا لاشہ — کسی صحرا میں واں کے میں خورش ہوں دام اور دد کا

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے — قفس جس وقت ٹوٹے طایر روح مقید کا

خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے — زباں پہ میرے جس دم نام آتا ہے محمدؐ کا

۳۔ مثنوی

یہ ایک مستقل صنف نظم ہے۔ اس کے اصلی معنی ہیں "دو والا۔ جس میں دو ہوں" یہ لفظ مثنیٰ کی طرف منسوب ہے۔ اصلاح ادب میں مثنوی سے وہ صنف نظم مراد ہے جس میں ہر شعر میں الگ الگ قافیہ ہو اور جس میں حسب ذیل داخلی اور خارجی امور ہوں۔

داخلی امور:۔ (۱) کسی داستان کا بیان مسلسل اور طویل نظم میں ہو۔

(۲) واقعات مع تفصیلات اور جزئیات کے درج ہوں۔

(۳) واقعات کو تاریخ نہ بنا دیا جائے یعنی ہر جزئی واقعات کو لے لینے کی کوشش نہ ہو بلکہ ان میں سے صرف وہ واقعات انتخاب کرلے جن سے زور اور اثر پیدا کرسکے۔ جن سے جذبات کو تحریک میں لاسکے۔

(۴) تخیل اور ناممکن و محال باتوں سے پرہیز کیا جائے۔ محاکات۔ نقل اُتارنے۔ تصویر کھینچ دینا۔ اس کے اصل اجزا ہیں۔

خارجی امور:۔ (۱) ہر شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہو اسی طرح ہر شعر کا قافیہ الگ الگ ہو۔

(۲) مثنوی کے مخصوص سات اوزان میں ہو (اس کا تفصیلی ذکر آگے آتا ہے)

(۳) الفاظ سادہ۔ آسان ہوں۔

(۴) تکلّف اور تصنّع اس میں زیادہ اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

بحور مثنوی

۱۔ بحر متقارب:۔ مثمن محذوف آخر اور مقصور آخر جس میں میر حسن دہلوی کی مثنوی سحر البیان ہے۔ اس کا وزن فعولن فعولن فعولن فعل (یا فعول) دو بار ہے۔

شعر ۱:۔

کروں پہلے توحید یزداں رقم   جھکا جس کے سجدے کو اوّل قلم

اس میں مصرع کا چوتھا رکن فعل ہے۔

شعر ۲:۔

پرستش کے قابل ہے تو اے کریم   کہ ہے ذات تیری غفور رحیم

اس میں مصرع کا چوتھا رکن فعول ہے۔

۲۔ بحر ہزج:۔ مسدس محذوف آخر یا مقصور آخر جس میں منیر کی مثنوی "معراج المضامین" ہے اس کا وزن مفاعیلن مفاعیلن فعولن (یا مفاعیل) دو بار ہے۔

شعر ۱:۔

خداوندا ترا عبد اقل ہوں   اسیر حلقۂ طول امل ہوں

اس میں مصرع کا تیسرا رکن فعولن ہے۔ شعر ۲:۔

سیہ کاری میں خال رائے ظلمات   کجی میں حلقۂ گیسوئے ظلمات

اس میں مصرع کا تیسرا رکن مفاعیل ہے۔

۳۔ بحر ہزج :۔ مسدس اخرب مقبوض محذوف آخر یا مقصور آخر ہے اس کا وزن مفعول مفاعلن فعولن (یا مفاعیل) دو بار ہے۔ اس میں پنڈت دیا شنکر نسیم کی مثنوی "گلزار نسیم" ہے۔ شعر ۱:

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری ثمرہ ہے قلم کا حمد باری

اس میں مصرع کا تیسرا رکن فعولن ہے۔ شعر ۲:

خوبی سے کروں دلوں کو تسخیر نیرنگ بہار باغ کشمیر

اس میں مصرع کا تیسرا رکن مفاعیل ہے۔

۴۔ بحر رمل :۔ مسدس محذوف آخر یا مقصور آخر اس کا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن (یا فاعلان) دو بار ہے اس میں فارسی میں تو مثنوی مولانا روم ہے اردو میں مشہور مثنوی کوئی نہیں۔ سعادت یار خاں رنگین کی چھوٹی چھوٹی کئی مثنویاں ہیں مثلاً ایجاد رنگین کے اشعار یہ ہیں :۔ شعر ۱:۔

میں جو چندے دہر میں مہماں رہا گرچہ دانا تھا ولے ناداں رہا

اس میں مصرع کا تیسرا رکن فاعلن ہے۔ شعر ۲:۔

میں نے جیتے جی کئے لاکھوں گناہ جان کر نامہ کیا اپنا سیاہ

اس میں مصرع کا تیسرا رکن فاعلان ہے۔

۵۔ بحر رمل :۔ مسدس مخبون محذوف آخر یا مقصور آخر۔ اس کا وزن فعلاتن فعلاتن فعلن (یا فعلان) دو بار ہے اکثر پہلا رکن بجائے فعلاتن کے

فاعلاتن آتا ہے۔ مومن خاں مومن کی مثنوی قول غمیں اسی میں ہے۔

شعر اوّل:-

ساقیا زہر پلادے مجھکو   شربت مرگ چکھادے مجھکو

اس میں مصرع کا پہلا رکن فاعلاتن اور تیسرا رکن فعلن ہے۔

شعر دوم:-

ہاں سیہ مستی حریاں پہ نگاہ   دے وہ مے یعنی کف مار سیاہ

اس میں تیسرا رکن فعلان ہے۔

محمد حسین آزاد کی مثنوی "موسم زمستان" بحر رمل مثمن مخبون محذوف میں ہے جس کا وزن فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن دو بار ہے۔ مثلاً:-

ہے جواں لیتا اسی شب میں جوانی کا مزہ

اور جو بڈھا ہے تو لیتا ہے کہانی کا مزہ

۶۔ بحر خفیف:- مسدس مخبون محذوف آخر یا مقصور آخر۔ اس کا وزن فاعلاتن مفاعلن فعلن (یا فعلان) دو بار ہے۔ نواب مرزا شوق کی زہر عشق، قلق کی طلسم الفت، اور میر کی دریائے عشق مصحفی کی بحر المحبت مثنویاں اسی میں ہیں۔ دریائے عشق کی دو اشعار حسب ذیل ہیں:-

شعر ا:-

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال   ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال

اس میں تیسرا رکن فعلان ہے۔

شعر ۲:-

دل میں جا کر کہیں تو درد ہوا   کہیں سینے میں آہ سرد ہوا

اس میں تیسرا رکن فعلن ہے۔

۲۔ بحر سریع مسدس مخذوف آخر یا مقصور آخر۔ اس کا وزن
مفتعلن مفتعلن فاعلن (یا فاعلان) دو بار ہے۔ اس میں سودا کی چند چھوٹی
مثنویاں ہیں۔ مثلاً شعر ۱:-

صدر کے بازار میں ہے ایک دبنگ   عار اطبا و طبابت کا ننگ

اس میں تیسرا رکن فاعلان ہے۔ شعر ۲:-

کشتن خلق اس کا غرض کام ہے   مرگ و قضا سنت میں بد نام ہے

اس میں تیسرا رکن فاعلن ہے۔

افادہ:- لیکن شعرا نے ان مخصوص بحروں کے علاوہ اور بحروں
میں بھی مثنویاں کہی ہیں۔ مثلاً میر نے ایک مثنوی کہی ہے جو بحر متقارب
مثمن اثرم سالم آخر میں ہے جس کا وزن فعل فعولن فعل فعولن ہے
مگر اس کے بعض مصرعے ایک ملتی جلتی بحر یا بحر متدارک مثمن مخبون میں
بھی پڑھے جا سکتے ہیں جس کا وزن فعلن فعلن فعلن فعلن ہے۔ مثلاً

چشم کرشمہ جان تغافل   شایاں اس کے شان تغافل
فعل فعولن فعل فعولن   فعلن فعلن فعل فعولن

میر نے ایک اور مثنوی بحر مجتث مخبون محذوف میں کہی ہے جس کا

وزن مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن ہے دوبار۔

جھکا بسوئے قدم سرخروس بے جاں کا — زمیں پہ تاج گرا ہدہدِ سلیماں کا

میرؔ کی ایک اور مثنوی بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف میں ہے جس کا وزن مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن دوبار ہے۔

اے جھوٹ آج شہر میں تیرا ہی دور ہے
شیوہ یہی سبھوں کا یہی سب کا طور ہے

مگر یہ اوزان و بحور دراصل مثنویوں کے نہیں ہیں۔

۴۔ قطعہ

یہ دراصل کوئی مستقل صنفِ نظم نہیں۔ لغوی معنی اس کے دو ٹکڑے کرنے کے ہیں مگر اصطلاحِ ادب میں جن ابیات میں ایک مسلسل خیال نظم ہوا ہو یعنی ایک مضمون ایک شعر میں پورا ادا نہیں ہوا تو جتنے اشعار میں جا کر وہ پورا مضمون ادا ہو اُن تمام ابیات کو قطعہ کہتے ہیں۔ اسی کو قطعہ بند بھی کہتے ہیں۔ قطعہ بند اشعار غزل میں بھی ہوتے ہیں۔ (گویا سمجھ سمجھ جاتے ہیں) اور قصیدہ میں بھی۔ قطعہ میں غزل اور قصیدہ کی طرح مطلع اور مقطع نہیں ہوتا۔ لیکن کبھی مطلع بھی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہم وزن اور ہم قافیہ ہوتے ہیں یا مضمون اور الفاظ میں یا تسلسل خیال میں قطعہ قصیدہ سے زیادہ (اور کبھی غزل سے) ملتا جلتا ہے۔ قطعہ میں کم سے کم دو شعر اور زیادہ سے زیادہ ایک سو ستّر اشعار مانے گئے ہیں۔

مثال ۱:-

تیرے جویا ہیں اس چمن میں ہم — ڈھونڈتے ہے گل کو عندلیب آدوست
تو بہ اماں ست مضایقہ کیا — فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

مثال ۲:-

منظور ہے گزارش احوال واقعی — اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری — کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے
آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل — ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں — مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال — یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
جام جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر — سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدعا — جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے
سہرا لکھا گیا ز رہ امتثال امر — دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات — مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ — سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے
قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں — ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے
صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ — کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

۵- رباعی

اس کے معنی "چار والا" ہیں اصطلاح ادب میں اس صنف نظم کو

رباعی کہتے ہیں جس میں چار مصرعے ہوں۔ پہلے اس کو ترانہ اور دو بیتی بھی کہتے تھے اس میں حسب ذیل داخلی اور خارجی امور ہونے چاہئیں :-

داخلی امور :- ۱۔ ایک ہی خیال چاروں مصرعوں میں پھیلا ہوا ہو۔

۲۔ مضمون عموماً وعظ و پند۔ اخلاق و مذہب کا فلسفیانہ پہلو۔ عشق و محبت پر حکیمانہ نظر وغیرہ ہونا چاہیئے۔

خارجی امور :- ۱۔ عموماً تین قافیے ہوتے ہیں۔ پہلا مصرع۔ دوسرا مصرع اور چوتھا مصرع مقفیٰ ہوتا ہے۔ لیکن کبھی تیسرے مصرع میں بھی قافیہ رکھکر چار قافیے کر دیتے ہیں۔

(۲) چوتھا مصرع زوردار ہونا چاہیئے مضمون کے لحاظ سے بھی اور لفظی بندش اور صفائی کے اعتبار سے بھی۔ مثال ۱ :-

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے　　بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا　　جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

مثال ۲ :-

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہ جم جاہ نے دال　　ہے لطف و عنایات شہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال　　ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

رباعی کے اوزان بھی مخصوص ہیں جو چوبیس ہیں مگر ان کا ذکر یہاں فضول ہے۔

۶۔ مسمّط

اس کے لغوی معنی "موتی جمع کرنے اور پرونے" کے ہیں۔ اصطلاح ادب میں اس سے مراد وہ صنف نظم ہے جس میں چند ہم وزن اور ہم قافیہ مصرعوں کو یکجا جمع کریں اور اس طرح کے کئی مجموعے ہوں ہر مجموعہ کو بند کہتے ہیں۔ پس (۱) ہر بند کا قافیہ جدا ہوگا (۲) اگر مصرعوں کی تعداد جفت ہے یعنی چار۔ چھ۔ آٹھ۔ دس تو تمام مصرعوں کے آخری الفاظ ہم قافیہ ہوں گے (۳) اور اگر مصرعوں کی تعداد طاق ہوئی یعنی تین۔ پانچ۔ سات۔ نو۔ تو ہر بند کے آخر مصرع کو بند اول کا تابع ہونا چاہیے۔

مسمط کی آٹھ قسمیں ہیں۔ مثلث۔ مربع۔ مخمس۔ مسدس۔ مسبع۔ مثمن۔ متسع۔ معشر۔

مثلث | وہ نظم جس کے ہر بند میں تین تین مصرعے ہوں۔ پہلے تینوں مصرعوں کا ایک ہی قافیہ ہوتا ہے۔ باقی بندوں میں دو مصرعے الگ قافیوں میں لکھ کر تیسرے مصرع کو بند اول کا ہم قافیہ رکھتے ہیں۔

مثال:۔

وہ جو آپ ملتے ازل تو عید تھی ہم سے ہوتے ہم بغل تو عید تھی
دل کو کچھ پڑتی جو کل تو عید تھی

کبھی کسی کی غزل پر ایک مصرع لگا کر مثلث بنا لیتے ہیں جیسے مومن نے عرفی کی فارسی غزل کو مثلث بنایا ہے جیسے۔

حیراں ہوں دیکھ ربطِ گل و شبنم اے ہزار — بے دردرا صحبتِ اربابِ دل چہ کار
خندیدن آشنا نبود ما گریستن

کبھی پہلے بند کے تیسرے مصرع کو جس میں بقیہ دو مصرعوں کا قافیہ ہوتا ہے۔ ہر بند کی گرہ میں بار بار لاتے ہیں جیسے :۔

خوشی اک مشغلہ ہو رات دن کا — شمار افزوں ہو اس کے سال و سن کا
خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

کوئن دنیا کے ہر خطے میں نامی — غریبوں اور مسکینوں کی حامی
خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

کبھی ہر بند کی گرہ میں ایک ہی مصرع بار بار لاتے تو ہیں مگر وہ پہلے بند کا تیسرا مصرع نہیں بلکہ ایک جداگانہ مصرع ہوتا ہے۔ جو مطلع کا ہم قافیہ نہیں ہوتا جیسے :۔

دنیا ہے سرا اس میں، تو بیٹھا مسافر ہے — اور جانا ہے یاں سے، جانا تجھے آخر ہے
کچھ راہ خدا دیجا، جا تیرا بھلا ہوگا

جو رب نے دیا تجھ کو، تو نام پہ رب کے دے — گر یاں نہ دیا تو نے، کیا دلویگا واں بدلے
کچھ راہ خدا دیجا، جا تیرا بھلا ہوگا

بعض لوگ ہر بند کو جداگانہ قافیہ میں لکھتے ہیں جیسے :۔

ہم ہیں جب محروم تیری دید سے — کیا غرض ہم کو ہلالِ عید سے
کیا مزہ ہم کو وصالِ عید سے

عید کیا ہم بے قراروں کی بھلا عید کیا فرقت کے ماروں کی بھلا
عید کیا ہو دل فگاروں کی بھلا

بعضوں نے پہلے بند کے بعد ہر بند میں صرف دوسرے اور تیسرے مصرع میں قافیہ کی پابندی کی ہے جیسے :-

گل فردوس سے حوروں نے تو گوندھا سہرا کہو نیساں سے کہ تو موتیوں کا لا سہرا
اچھے نوشہ کے لیے چاہیئے اچھا سہرا

جوش میں آکے جو ستوں کی طرح جھومتا ہے کس کی آنکھوں کا ہے یہ دیکھنے والا سہرا
مست و مدہوش ہے کس واسطے ایسا سہرا

مربع اس کے ہر بند میں چار چار مصرعے ہوتے ہیں۔ (رباعی صرف چار مصرعوں کی ہوتی ہے۔ مگر مربع چار چار مصرعوں کے کئی بند ہوتے ہیں) ابتدائی بند میں چاروں مصرعوں میں قافیے ہوتے ہیں لیکن اس کے بعد ہر بند کے تین مصرعے جداگانہ قافیہ اور چوتھے مصرع میں بند اوّل کے قافیہ کی پابندی ہوتی ہے۔ اس قسم میں متقدمین نے اکثر مرثیے کہے ہیں۔

سودا

بولے ہیں مرغ چمن آج کہ نالاں ہیں ہم کہتے ہیں گل کہ سدا چاک گریباں ہیں ہم
ہے یہ سنبل کی زباں زد کہ پریشاں ہیں ہم نرگستاں کا سخن یوں ہے کہ حیراں ہیں ہم
جامہ ماتمیاں ہے یہ تن نیلوفر آتش غم سے ہے لالے کا نت اٹھے داغ جگر
قمری کو سمجھو کہ اخگر ہے یہ خاکستر سرو کہتا ہے یہی آہ گلستاں میں ہم

کبھی کسی کی غزل پر دو مصرع لگا کر مربع کر لیتے ہیں جیسے منشی عبد العلی خاں تونگر نے حکیم نجم الغنی نجمی کی غزل پہ مصرعے لگائے ہیں۔

جان جاتی ہے یہاں ہجر بت دلجو میں　　دل نہیں ہے مرا بے یار مرے قابو میں
بے قراری نہ ہو کس طرح ہر اک آنسو میں　　درد فرقت کا بشدت ہے مرے پہلو میں
تپش مہر رخ یار سے تن گل جاتا　　سر سے لے تا بہ قدم آبلوں سے پھل جاتا
طالب دید تو بس دیکھتے ہی جل جاتا　　سرد مہری کا جو ہوتا نہ اثر مہرو میں

کبھی ایسا کرتے ہیں کہ پہلے بند کے مصرع آخر کی باقی بندوں میں تکرار کرتے ہیں۔

مولوی محمد اسمٰعیل

تنے گا مسرت کا اب شامیانہ　　بجے گا محبت کا نقار خانہ
حمایت کا گائیں گے مل کر ترانہ　　کہ وہ پھر آتا ہے اچھا زمانہ
نہ ہم روشنی دن کی دیکھیں گے لیکن　　چمک اپنی دکھلائیں گے یہ پچھلے دن
رکے گا نہ عالم ترقی سے کے بن　　کہ وہ پھر آتا ہے اچھا زمانہ

کبھی چاروں مصرع ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر بند کے قافیے جداگانہ رکھتے ہیں یعنی بند اول کے مصرع چہارم کے قافیہ کی پابندی نہیں کرتے۔

مولوی اکبر حسین اکبر

کانفرنس احباب سے پر ہے　　جو صفت ہے وہ سلک در ہے
سب کو یاد اوستاد کا گر ہے　　دلکش ہر اسپیچ کا سر ہے

بیٹھے ہیں ممبر کھولے کھتالے — جاڑے کا موسم پھولے پھالے
آنکھیں پھاڑے دانت نکالے — چندہ دیکر پھنسنے والے

مخمس | اُس کو کہتے ہیں کہ پانچ پانچ مصرع کے بند لکھے جائیں اور ہر بند کے صرف پانچویں مصرعے متحد الوزن و القوافی ہوں۔

سودا

کہا میں آج یہ سودا سے کیوں ہے تو ڈانواں ڈول — پھرے ہے جا کہیں نوکر ہو لیکے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اسکے جواب میں دو بول — جو میں کہونگا تو سمجھے گا تو کہے ہے ٹھٹول
بتا کہ نوکری بکتی ہے ڈھیروں یا تول

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر و دولتمند — سو آمد انکی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے ملک کو ہر اک نے سرکشی سے اپنے پسند — جو ایک شخص ہے بائیس صوبوں کا خاوند
رہی نہ اسکے تصرف میں فوجداری کول

اکثر ایسا کرتے ہیں کہ غزل کے اشعار پر تین تین مصرع لگاتے ہیں اور یہ قسم تخمیس کی بہت شائع ہے قریب قریب متقدمین سے لیکر متاخرین تک ہر شاعر نے غزلوں پر مصرع لگائے ہیں۔

تخمیس امیر بر غزل نواب یوسف علی خاں صاحب ناظم

کیا کہیے وہ کہتے ہیں ہر بات پر غلط — اظہار غم کیا تو کہا سر بسر غلط
یہ درد دل دروغ یہ زخم جگر غلط — میں نے کہا کہ دعویٔ الفت مگر غلط

کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط

طوفانِ جوشِ گریۂ بے اختیار جھوٹ　　آتش فشانی جگر داغدار جھوٹ

زورِ کمندِ جذبِ دلِ بیقرار جھوٹ　　تاثیر آہ و زاری شب ہائے تار جھوٹ

آوازۂ قبول دعائے سحر غلط

کبھی ایسا کرتے ہیں کہ پہلے بند کے مصرع آخر کی ہر بند کے گرہ میں تکرار کرتے ہیں۔

جرأت

جب سے اے راحت جاں تجھ سے جدا رہتا ہوں　　کیا کہوں سخت مصیبت میں پھنسا رہتا ہوں

مضطر و ششدر و حیران و خفا رہتا ہوں　　کسی پہ چین نہ کسی شغل میں کیا رہتا ہوں

منہ لپیٹے ہوئے دن رات پڑا رہتا ہوں

کیا بیاں اپنی جوانی کا کروں میں غمگین　　طاقت اب بستر اندوہ پہ ہلنے کی نہیں

نہ تو بیٹھوں ہوں نہ اٹھتا ہوں نہ جاتا ہوں کہیں　　یاد کرکے تری صحبت کو لیں اے پردہ نشیں

منہ لپیٹے ہوئے دن رات پڑا رہتا ہوں

مسدس | اس میں چھ چھ مصرع کا بند ہوتا ہے اور ہر بند کا چھٹا مصرع قافیہ میں بند اول کا تابع ہوتا ہے۔

غلام محمد

چاہتا ہوں خامہ انگشتِ یدِ بیضا کروں　　طور کے شعلے کا کاجل لاؤں طور ایسا کروں

سنگ موسیٰ کی کھرل ہر دیدۂ بینا کروں — آب دُرِ اشک سے حل ہو سکے جتنا کروں
پھر کاغذ سایۂ بالِ ہما پیدا کروں — وصف اُس پیغمبرِ بے سایہ کا انشا کروں
ہے سیہ کاری پڑی جوں شانہ ہر ہر بال میں — زلفِ خوباں کے پھنسا ہوں بطرحِ جنجال میں
کانٹے بانسے کی مچھلی کی طرح ہوں جال میں — ہوں گرفتارِ بلا سودائے خط و خال میں
یا رسول اللہ تڑپوں کب تلک اس حال میں — آؤں بازارِ مدینہ میں کچھ اب سودا کروں

مسمط کی قسم سے جو مسدس ہے اُس کی مثال یہی بند ہیں جو اوپر
لکھے گئے، فارسی میں منوچہری کے مسمطات جو مشہور ہیں وہ اسی قسم
کے ہیں لیکن اُردو میں یہ اس قدر متروک ہے کہ تلاش کرنے سے
بھی اس کی مثال مشاہیر شعرا کے یہاں نہیں ملتی۔ اب اس طرح کا
مسدس رائج ہے کہ ہر بند میں چار مصرع ایک قافیہ میں ہوتے ہیں
اُس کے بعد ایک بیت دوسرے قافیوں کی لگا دیتے ہیں اور اس
قسم میں کثرت سے شعرا کا کلام ہے یہ قسم ترکیب بند سے بھی علیحدہ ہے
(کیونکہ ترکیب بند میں صرف پہلے شعر کے دونوں مصرع مقفیٰ ہوتے ہیں
باقی اور شعروں میں صرف مصرع ثانی میں قافیہ ہوتا ہے) لیکن یہ اس
قدر مطبوع و رائج ہے کہ جس قدر کلام شعرا کا اس قسم میں ہے اور
کسی قسم میں سوائے غزل کے نہیں ہے کیونکہ مراثی علی العموم اسی قسم
کے مسدس میں ہیں اور دیگر مضامین بھی اس قسم میں نظم کئے
گئے ہیں۔

انیس

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح — گلزار شب خزاں ہوئی آئی بہار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح — سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گزار صبح
تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ باد صبح کے جھونکوں کا دمبدم — مرغان باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا پیچ و خم — سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا

کبھی ایک ہی شعر پر چار چار مصرعے برابر لگاتے جاتے ہیں اور ان چاروں مصرعوں میں شعر کے قافیہ کے علاوہ دوسرا قافیہ ہوتا ہے۔

امیر

ہر روش اور ہی سامان نظر آتے ہیں — جان تازہ گل و نسرین و سمن پاتے ہیں
جھومتے ہیں جو شجر سرد ہوا کھاتے ہیں — رقص کرتے ہیں تو طاؤس چلاتے ہیں
تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
ساقیا مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

کرتے ہیں مرغ چمن شور گھٹا چھائی ہے ہر روش ناچتے ہیں مور گھٹا چھائی ہے
لطف برسات کا ہے زور گھٹا چھائی ہے صحن گلزار میں گھنگھور گھٹا چھائی ہے

تندر پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد

ساقیا مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

مسبع | یہ سات مصرع کا بند ہوتا ہے پہلے بند کے ساتوں مصرع متحد الوزن والقوافی ہوتے ہیں اُس کے بعد ہر بند کے چھ مصرع دوسرے قافیوں میں اور ساتواں مصرع بند اول کے قافیہ میں ہوتا ہے۔

مثمن و متسع و معشر | مثمن میں آٹھ آٹھ مصرع کا بند اور متسع میں نو نو مصرع کا بند اور معشر میں دس دس مصرع کا بند اُسی رعایت سے جیسا کہ بیان کیا گیا ہوتا ہے مگر یہ قسمیں شعرائے اُردو کے یہاں متروک الاستعمال ہیں شاذ و نادر کسی رسالے میں بطور مثال کے لکھی گئی ہیں لہذا ان کی مثالیں نہیں لکھی جاتیں۔

جیسا مسدس شعرا نے ایجاد کیا ہے اُسی طرح مثمن میں بھی اکثر مشاہیر شعرا کا کلام ہے یعنی ہر بند میں چھ مصرع ایک قافیہ میں ہیں۔ اُس کے بعد ایک بیت دوسرے قافیہ میں ہے اس کی مثال لکھی جاتی ہے۔

مومن

کل گھر میں وہ بیٹھے تھے سراسیمہ و حیراں   اس حال کے دیکھے سے ہوا حال پریشاں
غصہ کے سبب چھپتی سی کی رنجش پنہاں   سمجھا میں کہ یوں ہی تو ہے مایوسی حرماں
انصاف کرو صبر کرے کب تلک انساں   ناچار کہا طعن سے میں نے کہ مری جاں

کس سوچ میں بیٹھے ہو ذرا سر تو اٹھاؤ
گو دل نہیں ملتا ہے پر آنکھیں تو ملاؤ

دیکھو تو ادھر کو کبھی یار تھے ہم بھی   غیروں کی طرح محرم اسرار تھے ہم بھی
سرمست مئے حسرت دیدار تھے ہم بھی   آئینہ نمط پشت بدیوار تھے ہم بھی
منظور نظر صورت اغیار تھے ہم بھی   اس چشم عنایت کے سزاوار تھے ہم بھی

یوں شربت دیدار سم آمیز نہیں تھا
کچھ نرگس بیمار کو پرہیز نہیں تھا

۷۔ ترکیب بند

کسی مسلسل مضمون میں کچھ اشعار غزل کے مع مطلع کے کہیں اور ایک اور بیت دوسرے قافیہ کی کہکر بند کو ختم کریں پھر دوسرے بند میں دوسری غزل دوسرے قافیہ کی مگر اسی بحر میں کہیں۔ اور بند کی بیت مختلف لائیں۔

مومن بمرثیہ معشوق

خمیازہ عیش کا مرا دل کھینچتا ہے آج — آغوش رشک حلقۂ اہلِ عزا ہے آج
برباد شورِ رعد ہوا ابرِ اشک پر — کیسا وفورِ شیون و جوشِ بکا ہے آج
جیتے رہے تو لال طمانچوں سے منہ کیا — تغیرِ رنگ شرم و خجالت فزا ہے آج
پانی کے بدلے منہ میں بھر آئے ہے لہو — لب کاٹتے ہیں ہائے کہاں وہ فزا ہے آج
مجھکو نہ اپنے ساتھ عدم میں لیے گیا — ہر دم شکایتِ نفسِ نارسا ہے آج
آوازہ ہائے ہائے کی آتی ہے متصل — گردوں طلسمِ گنبدِ ماتم سرا ہے آج
اتنے کہاں حواس کہ تدبیرِ مرگ ہو — اپنی خبر نہیں مجھے کیا جانے کیا ہے آج
اے دل خبر لے نغمۂ شادی کو کیا ہوا — لب پر ہمارے نالۂ واحسرتا ہے آج
پیٹے مجھے جو رو دیئے وہ کہتے تھے بارہا — کیا روئیے اوسی کا ہمیں پیٹنا ہے آج
آنسو پئے گلے سے گھونٹ نہ آبِ حیات کے — دل آہ زندگانی سے کتنا خفا ہے آج

مرنا ہے کس کا جان سے بیزار کر گیا
ماتم میں مر رہا ہوں میں یہ کون مر گیا

دل کی طرح سے پھٹی جاتی جان کو کیا ہوا — دم میں نہیں ہے دم مرے جاناں کو کیا ہوا
سر پیٹتا ہے شانہ پڑا دونوں ہاتھ سے — کیا جانے اُس کی زلفِ پریشاں کو کیا ہوا
پیتی ہے اپنا خونِ دل افسوس سے حنا — اُس دستِ رشکِ پنجۂ مرجاں کو کیا ہوا
شبنم کو پھر ہے جانبِ خورشید التفات — شرمندہ سازِ مہرِ درخشاں کو کیا ہوا

دل میں شکن ہے زلفِ مسلسل کدھر گئی برہم ہے حال کاکلِ پیچاں کو کیا ہوا
لذت فزا نہیں الم اُس لب پہ کیا بنی کچھ زخم بے مزہ ہیں نمکداں کو کیا ہوا
بوئے قبائے یوسفِ گل ہے نسیم میں اُس کی شمیم عطر گریباں کو کیا ہوا
گردش پہ اپنے ناز ہے پھر روزگار کو اُس چشم رشکِ فتنۂ دوراں کو کیا ہوا
دعویٰ ہے شوخیوں کا غزالانِ دشت کو اُس خوش نظر کی جنبشِ مژگاں کو کیا ہوا
کتاں ہے سینہ چاک رخِ ماہ دیکھ کر اُس روئے غیرتِ مہِ تاباں کو کیا ہوا

عیب و حجابِ شمع رخانِ جہاں گیا
وہ مہرِ آسمانِ نکوئی کہاں گیا

۸۔ ترجیع بند

ترجیع بند اُسے کہتے ہیں کہ ایک ہی شعر کے ہر بند کی گرہ میں تکرار ہو اس میں اور ترکیب بند میں یہی فرق ہے کہ وہاں ہر گرہ میں مختلف شعر لگاتے ہیں اور یہاں ایک ہی شعر لگایا جاتا ہے۔

مومن

ساقی مئے سرخ رائگاں ہے خم بھر لے کہ چشم خوں فشاں ہے
لبریز ہوا ہے کاسۂ عمر کیا دورِ بلائے ناگہاں ہے
جامِ مئے عشق سے چھکا ہوں یہ زہر گزندہ نوش جاں ہے

یکبارگی آگئی خموشی بدمستیٔ شوق سرگراں ہے
اُٹھے بھی نہ تھے کہ گر پڑے ہم کیا لغزش پا زماں زماں ہے
کس پردہ نشیں نے تیز دیکھا اس جوش پہ راز دل نہاں ہے
یوں غور سے پند گو کی باتیں سننے کا مرے سبب عیاں ہے
یعنی وہی جان کر کروں میں جس بات میں جان کا زیاں ہے
چھپ چھپ کے لگنے کا ماجرا نہ پوچھ آہ کب حرف یہ لائقِ بیاں ہے
اے ہمدمِ جاں نواز تجھ سے کیا دل کی کہوں میں دل کہاں ہے

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نبود از من

لو چھوڑ کے مجھے چلا گیا دل ہے اُس سے زیادہ بیوفا دل
دلدار کے کھینچنے پڑے ناز افسوس کہ میرے پاس تھا دل
یہ دشمنِ جاں تمھیں مبارک یعنی نہیں میرے کام کا دل
کیوں دعوئے دلربائی اتنا مایل اُدھر آپ ہی ہوا دل
دیتا ہوں دم ایسے فتنہ گر پر انصاف سے دیکھنا مرا دل
اُس چشم نے کر دیا خراب آہ تھا ورنہ بہت ہی پارسا دل
کیسی مری جان پر بن آئی اللہ بگڑ گیا ہے کیا دل
گھونٹے ہے کوئی گلے کو ہر دم کیا بات کروں کہ ہے خفا دل
اے محرم راز کیا کروں میں کیا آفتِ جاں سے ہے لگا دل

اے مونس غمگسار ہر دم — کیا پوچھے ہے کیونکہ لے گیا دل
آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نبود از من

کبھی ترجیع بند میں ایسا بھی کرتے ہیں کہ بند میں جس قدر مصرع ہوتے ہیں سب مقفیٰ ہوتے ہیں اور یہ مسدس و مثمن و معشر یا زیادہ مصرعوں کا بھی ہوتا ہے ۔ مسدس جس طرح امیر کا ترجیع بند جو مسدس کی مثال میں لکھا گیا اور معشر ترجیع بند شہیدی کا جس کا ایک بند یہ ہے ۔

جب چلا چاند بڑے کا سوئے رب جلیل — بجھ گئی مہر درخشاں کی فلک پر قندیل
شیر فردوس کی رکھی کہیں آدم نے سبیل — کہ اسی راہ سے گذرے گا وہ فرزند جمیل
فرش غفلت کا بچھاتے تھے کسی جا پہ خلیل — کہیں یوسف تھے کھڑے اور کہیں اسمٰعیل
روح پر روح لگی کرنے برائے تعجیل — جب ہوا نغمہ سرا صور پہ یوں اسرافیل
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اسی طرح مثمن ترجیع بند مولوی سید احمد بریلوی کا ہے جس کی گرہ میں اس بیت کی تکرار کی ہے ۔

دل کو مرے تسخیر کیا اک عربی نے — مکی مدنی ہاشمی و مطلبی نے

مولوی کافی نے ایک ترجیع بند کہا ہے اس کے ہر بند کے سولہ سولہ مصرعے مقفیٰ ہیں گویا مثمن مضاعف ہے اور اس میں

شیخ سعدی کے اس شعر کی تکرار کی ہے۔

گر بر سرو چشم من نشینی نازت بکشم کہ ناز نینی

ترکیب بند اور ترجیع بند میں تعداد اشعار ہر بند میں برابر ہونا چاہئیے۔
بندوں کی تعداد محدود نہیں ہے جس قدر بند چاہیں کہیں۔

۹ مستزاد

مستزاد دراصل رباعی کے ہر مصرع کے ساتھ اُسی وزن کا ایک ایک فقرہ لگا دینے کو کہتے ہیں۔ بعد میں شعرا نے غزل کے ساتھ بھی غزل کے وزن کا ایک ایک فقرہ لگا کر مستزاد بنانا شروع کیا۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔

الف۔ غزل میں زیادتی (۱) ہر مصرع کے ساتھ فقرہ زیادہ ہو۔ اور غزل کا قافیہ اس زائد فقرہ میں ہو نہ کہ مصرع میں جیسے۔ شعر:-

میں ہوں عاشق مجھے غم کھانے سے انکار نہیں۔ کہ ہے غم میری غذا
تو ہے معشوق تجھے غم سے سروکار نہیں۔ کھائے غم تیری بلا
دل و دیں تیرے حوالے کئے کرتے ہی طلب۔ اور جو کچھ کہا سب
پھر جو بیزار ہے تو مجھ سے بتا اس کا سبب۔ میری تقصیر ہے کیا

(۲) مصرع میں فقرہ زائد ہو اور غزل کا قافیہ غزل اور زائد فقرہ دونوں میں ہو۔ جیسے۔ شعر:-

میں نے جو کہا ہوں میں ترا عاشق و شیدا - اے کان ملاحت

فرمانے لگے ہنس کے سنو اور تماشا - یہ شکل یہ صورت

کعبے کا کروں طوف کہ بتخانوں کو جاؤں - کیا حکم ہے مجھ کو

ارشاد مرے حق میں کبھی کچھ ہو ولیکا آیا - اے پیر طریقت

انشا نے ایک غزل میں ہر مصرع کے ساتھ اسی طرح پانچ پانچ زائد فقرے لگائے ہیں ۔ شعر :-

میں پھاند کے کل رات جو دیوار نہ جاتی - کنڈی نہ ہلاتی - جا کر نہ جگاتی - نیند اسکو نہ آتی - جوبن کی دکھاتی - تیوری نہ بلاتی

اور چیکو نہیں میرے تئیں صبح اُڑاتی - ہاتھوں پہ نچاتی - گاتی نہ بجاتی - کھانا کبھی کھاتی - پر تو نہ بلاتی - سو سو ہلے گاتی

(۳) ہر شعر کے بعد ایک زائد فقرہ ہو جیسے ۔ شعر :-

اس رشک مسیحا کی جدائی میں ہے یہ حال   عاشق کو نہ ہے صبر نہ طاقت ہے بدن میں

بیمار ہے گویا

کس طرح ادا ہو سکے اس بت کا سراپا   خاموش زباں ہوتی ہے اوصاف دہن میں

اسرار ہے گویا

ب - رباعی میں زیادتی - جیسے ۔ شعر :-

کہہ دین میں تھا لقب یگانہ اپنا - تھے بت سے خفا

گا ہے صنموں کو ہم نے جانا اپنا - اللہ ری خطا

سب دیر و حرم کی خاک چھانی ہوتن - کیا خاک کہیں

دیکھا تو کہیں نہیں ٹھکانا اپنا - جی بیٹھ گیا

۱۰- فـــرد

وہ شعر جو اکیلا کہا گیا ہو اور کسی دوسری صنف نظم کے سلسلہ میں نہ ہو۔ بیت اور فـــرد میں یہی فرق ہے کہ کسی دوسری صنف نظم کے سلسلہ کا ایک شعر بیت کہلاتا ہے اور کبھی کبھی جو صرف ایک شعر کہا جاتا ہے وہ فرد ہے :۔ جیسے۔

شعـــر از مؤلف :۔

قرب مشکل ہو تو اظہارِ وفا کا لطف ہے
مجھ پہ ڈھایا ہے ستم آساں حصولی نے تری

فصل دوم۔ نثر

نثر اُس کلام کو کہتے ہیں جو موزوں کہا نہ گیا ہو یعنی اگر اتفاق سے موزوں ہو جاوے تو اس کا مضایقہ نہیں پھر بھی وہ نثر ہی ہے۔ نثر کی کل سات قسمیں ہیں۔ پانچ بلحاظ الفاظ۔ مقفیٰ[۱]۔ مسجع[۲]۔ مرصع[۳]۔ مرجز[۴] (ان چاروں قسموں کو رنگین کہتے ہیں) عاری[۵] یا سادہ۔ اور دو بلحاظ معنی۔ دقیق[۶]۔ سلیس[۷]۔

اقسام نثر بلحاظ الفاظ | ۱۔ نثر مقفیٰ:۔ وہ نثر جس کے فقرے چھوٹے بڑے ہوں مگر صرف آخر میں قافیہ ہو جیسے "فضاے صحرا قابل تحریر، کیفیت دشت، گلشن آسا لایق تقریر۔ بو باس ہر برگ گل کی رشکِ مشکِ اذفر، صفحۂ بیاباں معنبر و معطر۔ چمنوں کا پانی، صفا میں آب گہر سے آبدار تر۔ ذایقہ میں بہ از شیر و شکر۔ چلنے کے جاڑے کڑاکے کی سردی تھی، گویا زمیں سے آسمان تک یخ بھر دی تھی" یہ عبارت فسانۂ عجائب مصنفۂ رجب علی بیگ سرور کی ہے جو بیشتر نثر مقفیٰ میں ہے لیکن یاد رکھو کہ نثر مقفیٰ میں بہتر صورت یہ سمجھی جاتی ہے کہ پہلے فقرے کے مقابلہ میں دوسرا فقرہ طویل ہو جیسے اس عبارت کے پہلے دو فقرے ہیں لیکن پہلے فقرے کا طویل اور دوسرے فقرے کا مختصر ہونا جیسا اس عبارت کے دوسرے دو فقروں میں ہے بُرا سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ نثر مسجع:۔ وہ نثر جس کے فقرے چھوٹے بڑے نہ ہوں بلکہ دونوں فقروں کے الفاظ متساوی ہوں اور آخر میں قافیہ ہو [یہ قسم نثر مقفیٰ ہی کی اعلیٰ شکل ہے] جیسے "تقصیر معاف ہو۔ بڑے لطف اضافت ہو۔ کل کی بات بھول گئے جو آج بھول گئے۔ خوش تقریر ہو مگر بڑے شریر ہو"

۳۔ نثر مرصع:۔ وہ نثر جس میں دوسرے فقرے کے تمام الفاظ پہلے فقرے کے الفاظ کے ساتھ ترتیب وار وزن اور قافیہ رکھتے ہوں جیسے "کانِ ملاحت، معدومِ میان، معدنِ بے وفائی، چالاکِ یگانہ، دلبرِ عیار کے شوق میں بے قرار ہوں اور جانِ صباحت، موہومِ دہان، مخزنِ دلربائی، سفاکِ زمانہ، کافرِ طرار کے ذوق میں اشکبار ہوں"

۴۔ نثر مرجز:۔ وہ نثر جس میں فقروں کے الفاظ آخر صرف ہموزن ہوں یا دونوں فقروں کے الفاظ ترتیب وار وزن رکھتے ہوں مگر قافیہ نہ رکھتے ہوں جیسے مثال اول "دل عبادت سے غافل اور جان ذکر سے فارغ" مثال دوم "عیش عالم، نقش بر آب ہے۔ رنج دنیا، خاک بر باد ہے، نہ اس کا قیام ہے نہ اس کو ثبات" اس میں عیش اور رنج، عالم اور دنیا، نقش اور خاک، آب اور باد، قیام اور ثبات ہموزن ہیں۔

بعض لوگ مثلاً مصنف بحر الفصاحت۔ مرزا غالب دہلوی اور مولانا نظامی گنجوی کی رائے ہے کہ نثر مرجز کی ایک قسم وہ ہے جس میں صرف

الفاظ کی نشست اتفاق سے ایسی آجائے کہ اوزان شعر میں بھی موزوں ہو مثلاً آغا غنی کی تقریظ، امیر مینائی کی کتاب انتخاب یادگار پر، "دیوانِ حقیقت کے مطلع ہیں یہ دو مصرع، اک حمدِ الٰہی ہے اک نعتِ پیمبر ہے،...... لیکن مجھے ہاتھ آیا اس وقت عجب موقع، میں سب کو سناتا ہوں اس مطلع یکتا کا جو حسن ازل سے ہے، اس وقت موافق سب، کیونکر نہ ثنا خواں ہوں، سامان غزل خوانی کیا خوب مہیا ہے، دربار میں حاضر ہیں نقاد سخن، عالم کو سخن میرا سننے کی تمنا ہے" ہمارے نزدیک یہ بھی نثر مرجز ہے گو بظاہر اس میں نظم کرنے کا قصد اور کوشش معلوم ہوتی ہے اور اس لیے اس کو نثر میں داخل کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا لیکن اصل یہ ہے کہ پہلے مصنف کوئی ایک فقرہ نثر ناموزوں ہی کا لکھتا ہے مگر اتفاق سے وہ موزوں ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ اُسی کی پابندی کرنے لگتا ہے۔

افادہ:- ہمارے نزدیک نثر کا رنگین ہونا لفظی اقسام میں داخل ہے۔ معنوی اقسام میں نہیں۔ اگر نثر میں صنائع معنوی بھی ہوں تب بھی لفظی اقسام میں رہنا چاہیئے۔

۵۔ نثر عاری:- وہ نثر جس میں نہ وزن ہو نہ قافیہ بلکہ ان قیدوں سے آزاد ہو، آج کل یہی عموماً مروج ہے۔ اس لیے مثال کی حاجت نہیں بقیہ نثریں مقفیٰ۔ مسجع۔ مرصع سے مطلب ادا کرنے میں دقت

ہوتی ہے اس لیے وہ چیزیں ترک کردی گئیں۔

اقسام نثر بلحاظ معنی | ۱۔ دقیق:۔ وہ نثر جس کا مطلب سمجھنے میں غور و فکر کی ضرورت ہو اور آسانی سے مطلب نہ سمجھ میں آسکے اور یہ صورت مشکل الفاظ۔ استعارات اور تلمیحات اور صنائع معنوی وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ سلیس:۔ وہ نثر جس کا مطلب آسانی سے سمجھا جاسکے۔

اب سب کی مثالیں دیکھو:۔

دقیق۔ مثال اول جیسے "ایک جانب ہجوم امراض گوناگوں اور افراط عوارض بوقلموں نے عافیت مزاج پر ایسا عرصہ تنگ کردیا کہ دائرۂ صحت، نقطۂ موہوم کے حوصلے سے ہم آغوش ہوگیا۔ تفرج گلزار شباب کے آغاز سے، سیر مقامات شیخوخت تک حوادث دہر سے کبھی نشیب و فراز پیش آتے رہے اور نقطے بھی اسباب تشویش کے صرف احوال ہوتے رہے، ان موانع اور عوائق کی مزاحمت کیا روا رکھتی تھی کیا پائے ثبات کو دامن فراغ خاطر میں تردد سے باز رکھے اور خامہ و دوات کی دستیاری سے ذخائر طبیعت کو کبھی نظر ثانی کے زیور اصلاح سے مزین کرے۔"

مثال دوم جیسے "ہر زبان جو مافی الضمیر کی ترجمان ہے اپنی خصوصیات میں ضرور امتیاز رکھتی ہے اگرچہ وہی مفردات وہی مرکبات وہی کنایے

وہی تمثیلیں وہی مقام استعمال وہی مثلیں وہی مقولے ہیں جو لغات میں مستعمل ہیں لیکن خصوصیات لسانی کا بتانا نہایت مشکل اور نکتہ لاینحل ہے۔ یہ مسلم ہے کہ لغت کا موضوع لفظ مفرد ہے۔ مفردات اصلی مادے کی جستجو، اشتراک لفظی یا معنوی حقیقت یا مجاز بتانا اس کے عوارض ذاتی اور محل بحث ہیں لیکن اس کے موضوع کو جو مختلف غلطیوں سے مخلوط ہو کر ہر خاص و عام کی زبان پر آتا ہے اس طور پر ملحوظ رکھنا (کہ خاص زبان اور اس کے الفاظ اور مستعملات اغالیط ناگہانی سے الگ ہو کر ممتاز رہیں یا بحث کے مقامات ان عوارض سے الگ ہوں جو عوارض ذاتی یا نوع عوارض ذاتی سے جدا اور اغراض غریبہ میں داخل یا اس کے عین ہیں) کوئی آسان امر نہیں!!

سلیس جیسے "دریائے ستلج سے اس طرف زبان پنجابی ہے۔ اور جس قدر دریائے ستلج سے اِس طرف دہلی تک نظر کریں تو اردو زیادہ تر فصیح ہوتی جاتی ہے۔ دار السلطنت دہلی اور اس کے گرد و نواح سے جس قدر آگے بڑھیں برج بھاشا اور پوربی داخل ہوتے ہوتے بنگالی بن جاتی ہے اور جس قدر جنوب کو چلیے مارواڑی داخل ہوتے ہوتے دکھنی اور گجراتی ہو جاتی ہے۔
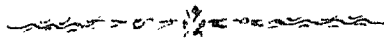
باب چہارم - محاورات و امثال

پہلے محاورات اور امثال کی تعریف سنو۔

محاورہ - زبان والوں کی روزمرہ بول چال میں جب کوئی لفظ اصلی معنی چھوڑ کر دوسرے معنوں میں مستعمل ہو یہ ہے اصل تعریف محاورے کی۔ جیسے پان سو - ظاہر ہے کہ پان کے معنی پانچ کے نہیں مگر بول چال میں پانچ کے معنی دیتا ہے یا پان سات - ظاہر ہے کہ پان (پانچ) کے بعد چھ کی گنتی ہے نہ کہ سات کی مگر بول چال میں یوں ہی ہے - یہ روزمرہ ہے ایسے تمام الفاظ بھی محاورہ میں داخل ہیں - لیکن اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ الفاظ بعض مصادر کے ساتھ آ کر اپنے اصلی معنی میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں بولے جاتے ہیں جیسے تین پانچ کرنا - تین پانچ گنتیاں ہیں مگر کرنا کے ساتھ جب مستعمل ہوں گی تو اس کے معنی حجت کرنا اور لڑنا کے ہوں گے - یہ محاورہ ہے۔

مثل - (یا ضرب المثل) ایک واقعہ کو بطور مثال کے ذکر کرنا اس وقت جب اسی جیسا کوئی واقعہ پیش آئے - یاد رکھو ہر مثل کسی نہ کسی واقعہ سے شروع ہوتی ہے۔

اس کے لیے دو باتیں ضروری ہیں (۱) اس کے الفاظ کم سے کم ہوں۔

آسان اور رواں ہوں (۲) جن الفاظ اور جس صیغہ اور شکل میں مثل ہو
اُس کو اُسی طرح استعمال کیا جائے تصرف کرنے کی اجازت نہیں (ہاں
ضرورت شعری سے بعض الفاظ مقدم موخر ہو جائیں اس میں مضائقہ
نہیں) اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ ضروری نہیں کہ مثل حرف بحرف صادق
آئے بلکہ اُس سے ملتے جلتے واقعے پر بھی مجازی معنوں میں ہم اُسے
بول سکتے ہیں۔

ہم اُردو کے چند مشہور محاورات و امثال لکھتے ہیں۔ طلبہ خود غور
کرکے اس کا مطلب سمجھیں اور موقع استعمال بتائیں اور حل نہ ہونے
کی صورت میں اُستاد سے مدد لیں۔ بعض مواقع پر ہم خود بھی مطلب
لکھ دیں گے۔

۱۔ محاورات

(الف) اللہ اللہ کرو۔ اللہ ہی اللہ ہے۔ آ بیل مجھے مار۔ اب جا گے۔
آپے سے باہر ہونا۔ آدھا تیتر آدھا بٹیر۔ آسمان میں ٹکٹکی لگانا۔ آسمان
سر پر اُٹھانا۔ آسمان سے باتیں کرنا۔ آنکھیں پھیر لینا۔ آنکھیں
چُرانا۔ اپنا سا منہ لے کر رہ جانا۔ آنکھیں کھلنا۔ اللہ اللہ خیر سلّا۔
(کسی امر سے فارغ ہونے کے موقع پر بولتے ہیں) آگے اللہ کا نام۔ ابل پڑنا۔ اپنے
منہ میاں مٹھو بننا۔ اپنی نیند سونا اپنی نیند اُٹھنا۔ آج کل کرنا (ٹالنا)
آٹھوں گانٹھ کمیت (بڑا ہی عیار اور دغا باز) اس کان سننا اُس کان

اُڑا دینا۔ انگلی پکڑتے پہنچا پکڑنا۔ آنکھیں لڑانا۔ اُلٹی گنگا بہنا۔
اپنے پاوں میں آپ کلہاڑی مارنا۔ آنسو پونچھنا۔ آبرو میں بٹا لگانا۔
انتڑیاں قل ہو اللہ پڑھتی ہیں۔ اینٹ سے اینٹ بجانا۔ آگ لگانا۔
انگلیاں اُٹھانا۔ آپ تو ڈوبے یار کو بھی لے ڈوبے۔ آپ ڈوبے تو
جگ ڈوبا۔ آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہونا۔ اتنی سی جان گز بھر کی زبان۔
اوس سے کہیں پیاس بجھی ہے؟۔ اوسان خطا ہونا۔ آنکھ لگنا۔

(ب) باغ باغ ہونا۔ بغلیں جھانکنا۔ بات کاٹنا (کسی کی گفتگو کے بیچ
میں بول پڑنا) بات کا بتنگڑ بنانا۔ بیڑا اٹھانا (کسی کام کے ذمہ لینے
کے لیے شرط کا پان کا بیڑا اُٹھا لینا) بسنت کی خبر ہونا۔ بانس پر چڑھانا۔
(بدنام کرنا) بدن میں آگ لگنا (سخت غصہ آنا) بڑی ناک والا (اترانے
والا۔ مغرور) بال کی کھال نکالنا۔

(پ) پاپڑ بیلنا۔ پتھر پڑنا (بیکار ہونا) پاؤں تلے سے زمین نکل جانا۔
پگڑی اچھالنا۔ پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑنا۔ پہلو بچانا۔ پھولا نہ سمانا۔ پر جلنا۔
پانی پانی ہونا۔ پٹی پڑھانا۔ پالوں سو جانا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا۔
پروان چڑھنا۔ (جوان ہونا۔ کامیابی کا درجہ پانا) پاپڑ بیلنا (مشقت کی تکلیف
اُٹھانا) پسینے چھوٹ جانا۔ پھولے نہ سمانا۔

(ت) تین تیرہ ہونا۔ تر کی تمام ہونا۔ تو تو میں میں کرنا۔

(ٹ) ٹسوے بہانا۔ ٹھوکریں کھانا۔

(ج) جھک مارنا۔ جان کے لالے پڑنا۔

(چ) چھکے چھوٹنا۔ چراغ سحری ہونا۔ چلّو بھر پانی میں ڈوب مرنا۔ چکنی چپڑی باتیں کرنا۔ چار چاند لگنا۔ چٹکیوں میں اڑانا۔ چراغ پا ہونا۔ چوکڑی بھولنا۔ چراغ گل پگڑی غائب۔

(خ) خیالی پلاؤ پکانا۔ خار کھانا۔ خاک میں ملانا۔ خاک چھاننا۔ خدا خدا کر کے کفر ٹوٹنا۔ خاک ڈالنا۔

(د) دانت کھٹے کر دینا۔ دل آنا۔ دم بھرنا۔ دن کو تارے دکھانا۔ دل بھر جانا۔ دھونی رمانا۔

(ڈ) ڈکار تک نہ لینا۔ ڈورے ڈالنا (پھسلانا۔ بہکانا۔ اپنے قبضہ میں لانے کی کوشش کرنا)

(ر) رات بھیگنا۔ راہ کھوٹی کرنا۔ رائی کا پربت ہونا۔ روغن قاز ملنا۔

(ز) زمین آسمان کے قلابے ملانا۔ زبانی جمع خرچ کرنا۔ زہر کے سے گھونٹ پینا۔

(س) سانچے میں ڈھلنا۔ سبز باغ دکھانا۔ سر اٹھانا (سرکشی کرنا) سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا۔ سر ہتھیلی پر لے کر پھرنا۔ سینگ سمانا (اموت کے قریب پہنچنا)

(ش) شگوفہ چھوڑنا۔ شگوفہ ہاتھ آیا (مذاق کرنے کا موقع ملا)۔

(ط) طشت از بام ہونا (ظاہر ہونا) طوطی بولنا۔
(ع) عرش کے تارے توڑ لانا۔ عنقا ہونا۔ عقل کے ناخن لینا۔ عقل پر پردہ پڑنا۔ عقل پر پتھر پڑنا۔
(غ) غوطہ لگانا (دیر کرنا)
(ف) فرعون بے سامان ہونا۔ فریب کھانا۔
(ق) قلعی کھلنا۔ قلم توڑ دینا۔
(ک) کاغذی گھوڑے دوڑانا۔ کس کھیت (باغ) کی مولی ہے؟۔ کھا کے ڈکار نہ لینا۔ کلنک کا ٹیکا لگنا۔ کان گرم کرنا۔ کانوں میں گھسیٹنا۔ کانوں پر جوں نہیں چلتی۔ کافور ہونا۔ کان کھڑے ہونا۔ کنویں جھانکنا۔
(گ) گل کھلنا۔ گلے کا ہار ہونا۔ گھی کے چراغ جلانا۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینا۔ (پاپڑ بیلے ہوئے ہونا) گرگٹ کے سے رنگ بدلنا۔ گڑے مردے اکھیڑنا۔
(ل) لال پیلا ہونا۔ لوہا ماننا۔ لفافہ کھلنا۔ لٹو ہونا۔ لکیر کا فقیر ہونا۔ لگائی بجھائی کرنا۔ لہو پانی کر دینا۔
(م) ماتھے پر بل پڑنا۔ منہ کی کھانا۔ منہ کا نوالہ نہیں۔ جاؤ منہ دھو آؤ۔
(ن) ناک میں دم کرنا۔ ناک کا بال ہونا۔ (محبوب ہونا) نقشہ جم جانا۔ ناک بھوں چڑھانا۔ نظروں سے اترنا۔ نشہ ہرن ہونا۔

(د) وقت پڑنا۔

(ہ) ہاتھ پاؤں پھولنا۔ ہاتھوں کے طوطے اُڑنا۔ ہاتھ دھو کے پیچھے پڑنا۔ ہوا باندھنا۔ ہاتھ کو ہاتھ پہچانتا ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھنا۔ ہاتھ ملنا۔ ہرن ہونا۔ ہوا پلٹ جانا۔

۲۔ امثال

(الف) آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ آنکھوں کے اندھے نام نین سکھ۔ آنکھوں کا اندھا گانٹھ کا پورا۔ آنکھ بچی اور مال دوستوں کا۔ اگلیں پہاڑ سے توڑیں گھر کی سل۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ ایک انار سو بیمار۔ ایک پنتھ دو کاج۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ اونچی دکان پھیکا پکوان۔ اندھوں میں کانا راجا۔ آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ ایک کی دارو دو۔ ایک جان دو قالب۔ او نکھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ۔ اپنا ہی گھٹنا کھولئے اور آپ ہی لاجوں مریے (یعنی اپنے خاندان والوں کی برائی کرنا گویا اپنی ہی بدنامی کرلی ہے) اندھے کے آگے روئے اپنے ہی دیدے کھوئے۔ اپنے دہی کو کوئی کھٹا نہیں کہتا۔ اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہوتا ہے۔ ایک سر ہزار سودا۔ آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر۔ اوکھلی میں سر دیا تو دھماکوں سے کیا ڈریں۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ ایک مچھلی سارے تالاب کو گندہ کرتی ہے۔ آٹے کے ساتھ گھن بھی پِسا جاتا ہے۔ آم کھانے سے مطلب پیڑ گننے کا کیا کام۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔

آدھی چھوڑ ساری کو دھاوے۔ آدھی رہے نہ ساری پاوے۔ اشرفیاں لٹیں کوئلوں پر مہر۔ اندھا بانٹے ریوڑی اپنوں کو پہچان پہچان کر دے۔ ایک تو کڑوا کریلا دوسرے چڑھا نیم۔ اندھے کو نیوتے دو کو کھلائیے۔ اندھے کی لاٹھی جس کی داد نہ فریاد۔ اندھیر نگری چوپٹ راجا ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا۔

(ب) بندر کیا جانے ادرک کا مزا۔ بھس میں چنگی ڈال جمالو دور کھڑی۔ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ باسی کڑھی میں اُبال آیا۔ بارہ برس دلی میں رہے بھاڑ ہی جھونکا کیے۔ بغل میں لڑکا شہر میں ڈھنڈھورا۔ باسی بچے نہ کتا کھائے۔ باپ پر پوت پتا پر گھوڑا کچھ نہیں تو تھوڑا ہی تھوڑا۔ بلی کو خواب میں چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں۔ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ بھوکا بنگالی بھات بھات کرتا ہے۔ بڑے بول کا سر نیچا۔

(پ) پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔ پڑھیں فارسی بیچیں تیل یہ دیکھو قدرت کے کھیل۔ پانچوں گھی میں سر کڑھائی میں۔ (یعنی اب آرام ہی آرام ہے) پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔

(ت) تل اوٹ پہاڑ اوٹ۔ تیلی کا بیل جہاں سے چلا وہیں کا وہیں۔ تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔ تانت بولی راگ بوجھا۔ تیسرے فاقے تو مردار بھی حلال۔ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔

(ج) جس کی لاٹھی اس کی بھینس ۔ جلے پھپھولے پھوڑنا ۔ جان بچی لاکھوں پائے ۔ جی ہے تو جہان ہے ۔ جیسی روح ویسے فرشتے ۔ جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا ۔ جس کا کھائے اسی کا گائے ۔ جلدی کا کام شیطان کا ۔ جتنی چادر ہو اتنا ہی پیر پھیلاؤ ۔ جھوٹے کے آگے سچا جل جل مرے ۔ جس کو نہ دیں مولا اسے کیا دیں آصف الدولہ ۔ جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام ۔

(چ) چھوٹا منہ بڑی بات ۔ چور کی داڑھی میں تنکا ۔ چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ۔ چراغ تلے اندھیرا ۔ چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں ۔ چکنا گھڑا ہونا ۔ چوری اور اس پر سینہ زوری ۔

(ح) حساب جو جو بخشش سو سو ۔ حلوائی کی دکان دادا جی کا فاتحہ ۔ حیلہ رزق بہانہ موت ۔

(خ) خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے ۔ خدا گنجے کو ناخن نہیں دیتا ۔ خدا اپنے گدھے کو خشکہ کھلائے کسی کا کیا ساجھا ۔ خالہ جی کا گھر نہیں ہے ۔

(د) دال میں کچھ کالا ہے ۔ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں ۔ دور کے ڈھول سہاونے ۔ دن عید رات شب برات ۔ دریا میں رہنا مگر مچھ سے بیر ۔ دیکھئے اونٹ کس کل بیٹھتا ہے ۔ دو ملاؤں میں مرغی حرام ۔ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک پیتا ہے ۔

(ڈ) ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ ڈھاک کے تین پات۔

(ر) رہیں جھونپڑے میں خواب دیکھیں محلوں کے۔ رسی جل گئی پر بل نہ گیا۔

(ز) زبان خلق نقارۂ خدا۔

(س) سوت نہ کپاس کوری سے لٹھم لٹھا۔ سانپ نکل گیا لکیر پیٹا کر۔ سانپ مرے لاٹھی نہ ٹوٹے۔ ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے۔ سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ ساجھے کی ہنڈیا چوراہے پر پھوٹتی ہے۔ سخی سے سوم بھلا جو سویرے (ساجھے) دے جواب۔ سو سنار کی ایک لوہار کی۔ سانپ کا کاٹا رسی سے ڈرتا ہے۔ سونے کی چڑیا اڑ گئی پر ہاتھ میں رہ گئے۔ سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلتا۔ سب دھان بائیس پنسیری ستر چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔

(ش) شکر خورے کو اللہ شکر ہی دیتا ہے۔ شکل چڑیلوں کی مزاج پریوں کے۔ شہر میں اونٹ بدنام۔ شیطان کے کان بہرے۔

(ص) صبح کا بھولا شام کو آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔

(ط) طویلے کی بلا بندر کے سر۔

(ع) عید پیچھے ٹر۔

(غ) غرور کا سر نیچا۔

(ق) قاضی کیوں دبلے شہر کے اندیشہ سے۔

(ک) کتے کی دم بارہ برس گڑی رہے پھر بھی وہی ٹیڑھی کی ٹیڑھی۔ کام چور نوالے حاضر۔ کام کے نہ کاج کے ڈھائی سیر اناج کے۔ کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا۔ کیا پدی کیا پدی کا شوربا۔ کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے ہیں۔ کسی کا گھر جلے کوئی آگ تاپے۔ کتے کو گھی کبھی نہیں پچتا۔ کاغذ کی ناؤ آج نہ ڈوبی کل ڈوبے گی۔

(گ) گھر گھوڑی نخاس مول۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ گڑ کھائیں گلگلوں سے پرہیز۔ گھی کہاں گیا کھچڑی میں۔

(ل) لہو لگا کے شہیدوں میں داخل ہو گئے۔ لات کا آدمی بات سے نہیں مانتا۔ لنکا میں سب باون گز کے۔ لینا ایک نہ دینا دو۔

(م) موم کی ناک جدھر چاہو موڑ دو۔ مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ مفلسی میں آٹا گیلا۔ مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔ مرغے کی ایک ٹانگ۔ مرغی اپنی جان سے گئی کھانے والوں کو مزہ نہ آیا۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ ملا کی دوڑ مسجد تک۔ ملا کے گھر کے چوہے بھی سیانے۔

(ن) نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ ناچ نہ آئے آنگن ٹیڑھا۔ نام بڑا درشن تھوڑے۔ نیکی برباد گناہ لازم۔ نو کی لکڑی نوے خرچ۔ نکلی ہونٹھوں چڑھی کوٹھوں۔ نیکی اور پوچھ پوچھ۔

(۹) وقت نکل جاتا ہے بات رہ جاتی ہے۔ وہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑاتے تھے۔ ولی کے گھر میں شیطان۔

(۵) ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ ہاتھی ہزار لٹے گا پھر بھی سوا لاکھ ٹکے کا۔
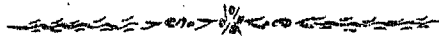
باب پنجم فن انتقاد (تنقید)

تمہید | مولانا حالی کے بعد سے زبان اردو نہایت جلد جلد منجھتی اور صاف اور شستہ ہوتی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حالی کا زمانہ انتقاد ادب کا پہلا دور تھا۔ اگرچہ اُس سے قبل بھی زبان اردو میں نظماً و نثراً تبدیلیاں ہوئیں مگر اس کی حیثیت شخصی یا حلقہ وار تھی کوئی شخص اپنے لیے یا اپنے شاگردوں کے حلقہ کے لیے کچھ الفاظ متروک کر دیتا تھا۔ لیکن حالی نے اس کو مستقل فن بنا دیا۔ ادھر انگریزی کی تعلیم اور مغربی ادب و تنقید کی اشاعت سے ذوق ادب روز بروز نکھرتا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زبان اردو اب بہت وسیع۔ بہت شستہ ہو گئی ہے۔ لیکن پرانے زمانہ میں انتقاد و تنقید کا جو کچھ مفہوم تھا اب وہ تقویم پارینہ ہو گیا۔ اور فن انتقاد بھی نکھر گیا ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کو اس کے چند اصول سے باخبر کیا جائے۔ تاکہ ادب عالیہ کی اشاعت عام ہو۔ اس باب میں بعض حصے رسالہ ہندستانی الہ آباد بابتہ ماہ اکتوبر ۱۹۳۱ء سے لیے گئے ہیں۔

ادب | مقصود اور مافی الضمیر کو نظم میں ادا کیا جائے یا نثر میں۔

اس کو ادب یا نربانداقی کہتے ہیں لیکن عام لوگوں کا مافی الضمیر اور اس کے بیان کا طریقہ اس لائق نہیں کہ دوسروں کے ذہنوں کی تربیت کر سکے اور سنوار سکے۔ یہ مرتبہ صرف پڑھے لکھے لوگوں کے خیالات اور ان کے طریقہ بیان کو حاصل ہے کہ اُس سے دوسروں کے خیالات درست ہوں اور ویسا طریقۂ بیان دوسروں کو بھی آ سکے۔

اس لیے ادب دراصل پڑھے لکھے اور مہذب و شائستہ لوگوں کی نظم و نثر کو کہتے ہیں۔ لیکن ایسی نظم و نثر جس سے دوسروں کے ذہنوں کی تربیت ہو سکے، بڑی ذمہ داری کا کام ہے اس کے لیے کافی تحصیل علم۔ مہارت زبان۔ وسعت نظر اور مشق و مزاولت کی ضرورت ہے۔ اس لیے ادیب جتنا ہی سلیم المذاق، عالم۔ زبان کا ماہر اور مشاق ہوگا اور جتنا ہی اُس نے کسی موضوع کو غور و فکر سے لکھا ہوگا اُسی قدر اس کی تحریر و تقریر۔ ادب عالیہ، ادب درسی (کلاسکس) کے قابل ہوگی۔

پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ " ادیب (شاعر یا ناثر) ایک الہامی جذبہ سے، بے اختیار ہو کر کچھ لکھتا ہے وہی اصل ادب ہے" اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کی فطری لیاقت، حاصل کردہ علم سے مل کر اور کافی غور و تامل کی مدد سے اس درجہ تک پہونچ جاتی ہے گویا عام انسان نہیں بلکہ فرشتے کچھ کہہ رہے ہیں۔ اور اس وقت وہ کچھ کہنے کے لیے بے قرار بھی ہوتا ہے۔ اور اسی سے اس کا اثر بھی دوسروں پر پڑتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عام مشاعروں کی طرحوں پر رواروی میں اشعار لکھنا یا صلہ اور انعام کے لیے کچھ لکھنا یا کسی کی فرمائش پر کچھ لکھنا مشکل ہی سے ادب کہلانے کا مستحق ہے۔

ادب اور دیگر علوم | اگرچہ ادبا اور علما (فلسفی ۔ سائنس داں و دیگر ماہرین فن) دونوں گروہ کے لوگ اپنے مافی الضمیر کو لفظوں میں ادا کرتے اور اپنی تخلیق اور جدت سے دنیا کو نئی زندگی بخشتے ہیں مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ علوم، دماغ کو گرماتے ہیں اور ادب، دل کو برماتا ہے۔ علوم، مسائل اور حقائق بتاتے ہیں اور دماغ میں تھکن پیدا کرتے ہیں، ادب کی طرز تحریر دلکش ہوتی ہے جو مسرت اور نشاط بخشتی ہے۔ بعض تحریریں بیک وقت دل و دماغ دونوں پر اثر ڈال سکتی ہیں تو سمجھ لو کہ اس میں ادب بھی ہے اور علم بھی۔

انتقاد اور تبصرہ | اردو میں ایسے تین لفظ مستعمل ہیں تنقید ۔ انتقاد ۔ تبصرہ۔ تنقید کا لفظ اگرچہ مستعمل اور مروج ہے لیکن اس سے زیادہ صحیح لفظ انتقاد ہے۔ بہرحال انتقاد یا تنقید کا مادہ "نقد" ہے اس کے معنی پرکھنے کے ہیں۔ تبصرہ (جس کو انگریزی میں ریویو کہتے ہیں) کے معنی نظر ڈالنا یا دوبارہ نظر ڈالنا۔ پس انتقاد و تبصرہ سے اتنی باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

(۱) کھوٹے اور کھرے کو ۔ خواہ وہ الفاظ ہوں یا خیالات ۔ الگ

کر دکھانا۔

(۲) کسی کلام پر اُسی طرح نظر ڈالنا جیسے خود ادیب نے نظر ڈالی ہو۔ انتقاد و تبصرہ کا خلاصہ یہی ہے۔

خیالات و الفاظ انسان جب کچھ کہتا ہے تو پہلے کوئی بات اس کے ذہن اور دل میں آتی ہے۔ یہی اُس کا خیال ہے۔ اسی کو مضمون، مطلب یعنی مقصود اور مفہوم کہتے ہیں اس کو لوگوں تک پہونچانے کا ذریعہ الفاظ ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ پہلے خیالات موجود ہو لیتے ہیں اس کے بعد الفاظ سوچے جاتے ہیں۔ خیالات اصل ہیں الفاظ ذریعہ۔ خیالات روح اور جان ہیں اور الفاظ جسم۔ خیالات مخدوم ہیں۔ الفاظ خادم۔ خیالات کا اثر دیرپا ہوتا ہے اور الفاظ کا وقتی۔ خیالات پہلے سے ہیں مگر الفاظ بعد میں بنتے ہیں الفاظ سے پہلے اظہار خیال اشاروں سے۔ تصویروں سے کیا جاتا تھا۔ پس الفاظ کو اصل شئی سمجھ لینا غلط ہے۔ زیادہ زور خیالات کی اصلاح پر دینا چاہیئے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ خیال اور الفاظ لازم ملزوم ہیں یہ بھی اچھا نہیں کہ خیالات عمدہ اور بلند ہوں لیکن پست اور ادنیٰ یا غلط الفاظ میں ادا کئے جائیں اور اُسی کے ساتھ یہ بھی برا ہے کہ محض الفاظ پر ساری توجہ اور لیاقت صرف کردی جائے۔ اب انسان کو اختیار ہے کہ چاہے خیالات کا ادیب یا ناقد بنے خواہ الفاظ کا۔ مگر اس کے فیصلہ کے لیے پہلے فوائد اور مقاصد انتقاد پر نظر ڈال لو۔

مقاصد و فوائد انتقاد | انتقاد اور تبصرہ کے فوائد اور مقاصد مسلم طور پر یہ ہیں :-

(۱) انتقاد سے عمدہ ادبیات کی اشاعت ہوتی ہے اور بری قسم کے ادبیات (لٹریچر) از خود فنا ہونے لگتے ہیں۔

(۲) انتقاد سے ایک خاص قسم کی نظر اور عادت پیدا ہوتی ہے کہ کسی کے کلام کو کس طرح دیکھنا چاہئیے اور اس کی گہرائیوں اور خوبیوں تک کیونکر پہونچنا ممکن ہے۔

(۳) ناقد اگر بالغ نظر اور ذی استعداد ہے تو اس کا انتقاد و تبصرہ خود ایک بیش بہا ادب (لٹریچر) ہوتا ہے۔

اب اس کے بعد ایک نظر پچھلے ادبیات و ادباء اور پچھلے انتقاد اور ناقدین پر ڈالو آج ادباء میں تم (اقبیہ کو چھوڑ کر) ناسخ اور دبیر اور غالب و آتش کی مثال لو۔ ناسخ و دبیر، مسلم ہے کہ الفاظ کے ادیب تھے لیکن آج لوگ ناسخ و دبیر کو بھول گئے۔ غالب و آتش مسلم ہے کہ خیالات کے ادیب تھے اور آج وہ زندہ ہیں۔ اسی طرح ناقدین میں شبلی اور حالی کی انتقادی تحریریں (یادگار غالب۔ مقدمہ شعر و شاعری اور شعر العجم۔ موازنۂ انیس و دبیر وغیرہ) عمدہ ادب کی کتابیں بھی سمجھی جاتی ہیں۔ پس اگر غور کروگے تو شاعری کی دنیا میں انقلاب پیدا کر دینے والا ہمیشہ کوئی خیالات کا ادیب و شاعر یا خیالات کا ناقد ہی ملے گا۔

ناقد اور ادیب سوسائٹی (یعنی عام لوگ) قدامت پسند ہوتے ہیں اور ہر جدت کو بدعت سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ جس چیز سے مانوس اور آشنا رہتے ہیں صرف اسی کو اپنے نزدیک صحیح اور صالح ہونے کا معیار سمجھتے ہیں۔ جہاں کسی نے ان کی عام پسند سے جداگانہ راہ اختیار کی اور عام سطح سے بلند ہوا فوراً یہ لوگ اپنے معیار سے دیکھ کر اسے گرانے کی کوشش کرتے ہیں مگر ایک مدت کے لیے ان کے دماغوں میں یہ نہیں آتا کہ ادب ہمیشہ یکساں نہیں رہ سکتا۔ اس میں تنوع کی گنجائش رکھنی چاہیے اور نئی مگر عمدہ چیزوں کو بھی قبول کرنا چاہیے۔

لیکن زبردست شخصیت والے ادیب بہت جلد ناقدین اور مخالفین پر فتح پالیتے اور باوجود مخالفت کے پھر بھی اتنے کامیاب ہوتے ہیں کہ ان کے الفاظ۔ ان کی ترکیبیں ان کے انداز بیان اور ان کے خیالات۔ ان کی حکیمانہ نظر، ان کے رجحان تک کی نقلیں عام طور پر ہوتی ہیں۔ ان سے لوگوں کو نئے خیالات، نئے الفاظ، نئے اسلوب بیان ملتے ہیں اور وہ اپنی انھیں جدتوں اور نئی راہوں کو جس پر لوگ مخالفت بھی کرتے ہیں اپنا قدرتی حسن سمجھتے ہیں۔

چنانچہ آج بعض مخصوص قدامت پرست حلقوں کو چھوڑ کر

تم دیکھو گے شعر و ادب میں تین زبردست شخصیتوں کی طرزوں کی نقل کی جارہی ہے اور اب وہی طرزیں مقبول اور مروج ہیں۔

(۱) ٹیگور کی طرز میں محویت و گمشدگی۔ دردمندی اور عاجزی۔ ابہام اور لاانتہاہی ہونا عام ہے اور آج اکثروں کی نظم و نثر پر یہ چیز چھائی ہوئی ہے۔

(۲) اقبال کی طرز میں رفعت اور فلسفیت، خودداری اور عزت نفس، ہمت اور عمل نمایاں ہے۔ آج بہتوں کی نظم و نثر میں یہ رنگ عام ہے۔

(۳) شبلی (اور ابوالکلام) کی نثر کی خصوصیت پرزور استدلال۔ بلندی اور خطابت، رنگینی اور انتخاب الفاظ ہے اور آج کل کے بیشتر لکھنے والے اسی کو پسند کرتے ہیں۔

میری نظر میں موجودہ نظم و نثر کا کوئی ایسا نمونہ نہیں جو ان تین طرزوں کے اثر سے بچا ہوا ہو۔

موجودہ انتقاد اُردو کا عام موجودہ انتقاد (بعض مشہور نقادوں کو چھوڑکر) جو کچھ رائج ہے وہ بہت پست ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ خود شاعری اور انشا کا اکثر حصہ پست ہے مثلاً شاعری کو لو عموماً شعرا

(۱) مشاعروں کی فکر اور مجبوری سے یا کسی کی فرمائش سے

شعر کہتے ہیں عوام سے داد مقصود ہوتی ہے اس لیے نہ کوئی بلند شعر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ عوام کا ذوق بلند نہیں اور نہ شعر کسی دلی جذبہ سے بیقرار ہو کر کہا جاتا ہے کہ دوسروں پہ اثر کرے۔

(۲) طرح کا التزام ہوتا ہے اس لیے دراصل خیال کا نظم کرنا اس قدر مقصود نہیں ہوتا جس قدر قوافی کا نظم کرنا۔ اور جب خیالات نہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا حسن زبان محاورہ اور روزمرہ ہی سے ہوگا۔

ان صورتوں میں ظاہر ہے کہ خیالات کے ترک یا ترمیم کی اصابت اور واقعیت کی تاثیر اور بلندی اور دیگر امور کی تنقید نہیں ہو سکتی۔ صرف لفظ، زبان۔ محاورہ۔ ایطا اور دیگر عیوب ظاہری کی تنقید ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا امور کو بطور تمہید کے پیش نظر رکھو اور فن انتقاد کے اصول و قواعد۔ لفظی اور معنوی۔ کو بغور دیکھو۔ چونکہ انتقاد اور تبصرہ کی خوبی مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ۔

(۱) ناقد ادب کے ساتھ ادیب کو بھی اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرے یعنی اس کے خیالات کے انداز سے بخوبی واقف ہو۔

(۲) کلام کو بغور اور ہر پہلو سے دیکھے۔

(۳) انصاف اور نیک نیتی سے دیکھے اور فیصلہ کرنے میں

جلدی نہ کرے۔

لہٰذا معنوی انتقاد کے لیے پہلے ضروریات انتقاد، نقائص انتقاد اور معیار انتقاد متعین کر لینے چاہئیں:۔

ضروریات انتقاد | (۱) جس طرح ہر کام کے لیے قدرتی لیاقت اور مذاق سلیم درکار ہے مثلاً شاعر ہر کوئی نہیں بن سکتا۔ ایکٹر ہر شخص نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح انتقاد ادب کے لیے قدرتی مادہ درکار ہے۔

(۲) قدرتی صلاحیت کے بعد ضروری ہے کہ اس نے مختلف ادیبوں کی تصانیف اور بہترین ادبیات کا مطالعہ کیا ہو۔ یعنی اس میں مطالعہ اور وسعت نظر ہو۔

(۳) علم ادب کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ موجودہ انتقاد کی طرز کو جانتا ہے اور اس کے حسن و قبح پہچانتا ہو۔ یعنی واقفیت انتقاد بھی ہو۔

(۴) اپنی زبان کے علاوہ ایک دو زبانیں اور بھی جانتا ہو مثلاً اردو کے علاوہ انگریزی یا فارسی۔

(۵) ادیب زیر تنقید کے حالات، عادات، عقائد و اعمال سے اچھی طرح واقف ہو۔ اس کے معتبر دوست یا معتبر سوانح عمری حاصل کرے تاکہ اس کے خیالات اور پسند کی اصلی وجہ سمجھ میں آجائے۔

مراسلات و دیگر تصانیف بھی مل سکیں تو حاصل کرے۔

(۶) ادیب زیر بحث کے زمانہ کے ادب کا بھی اس نے مطالعہ کیا ہو۔

نقائص انتقاد | (۱) انتقاد کرتے وقت کسی کے کلام میں اپنے خیالات اور اپنی پسند اور اپنا رجحان اور میلان تلاش نہ کرے۔

(۲) ادیب زیر تنقید کو پہلے ہی سے اپنے سے کم درجہ کا انسان نہ سمجھے اور پہلے کے کسی فیصلہ کے مطابق رائے دینے کی کوشش نہ کرے۔

(۳) کسی کے کلام پر رائے دینے میں پورا وثوق اور قاعدہ کلیہ نہ ظاہر کرے اور اپنی ہر رائے میں اپنے کو ہمیشہ بالکل حق بجانب نہ سمجھے بلکہ اس کی گنجائش بھی رکھے کہ ممکن ہے میری ہی سمجھ میں بات نہ آئی ہو۔

(۴) ادیب زیر تبصرہ سے ناقد کوئی جذبۂ انتقاد و تبصرہ میں نہ ظاہر کرے۔ دشمنی اور تعصب۔ حسد سے متاثر نہ ہو۔

(۵) انتقاد میں ذاتی اغراض وابستہ نہ رکھے۔ یعنی اپنی یا اپنے گروہ اور ہم خیالوں کی نمود اور دوسروں کی تحقیر نہ چاہے۔ یا اپنی علمیت اور مہارت کا اظہار مقصود نہ ہو۔

(۶) ادیب اور ادب زیر تبصرہ کے کلام پر جلدی رائے نہ دے بلکہ اطمینان سے ہر پہلو سے اس پر نظر ڈالے۔

(۷) اگر کسی ادیب سے کچھ خامیاں اور غلطیاں ظاہر ہوں تو اس سے بہت جلد بدظن نہ ہو جائے۔ بلکہ دو باتیں ملحوظ رکھے (۱) غلطیوں کی

نوعیت اور اہمیت پر اچھی طرح نظر کرے (۲) خوبیوں کے مقابلہ میں غلطیاں اور
خامیاں کتنی ہیں۔ زیادہ خوبیوں کے ساتھ چند اور معمولی غلطیاں ہمیشہ
نظر انداز کر دینی چاہئیں اسلیے کہ کوئی انسان ایسا نہیں جس سے غلطی
نہ ہو۔ غلطی و کوتاہی لازمۂ بشر ہے۔

معیار انتقاد | (۱) ادیب زیر بحث کے کلام کو قدما کے ذخیرۂ ادب سے کبھی مجموعی
طور پر مطابق نہ کرے کیونکہ ہر زمانہ کا رنگ جداگانہ ہوتا ہے۔

(۲) ادیب زیر تبصرہ کو اچھی طرح سمجھ لے کہ وہ خیالات کا ادیب ہے یا الفاظ
کا (اور یہ چیز فوراً سمجھ میں آ جائے گی) تو ایسا کبھی نہ کرے کہ خیالات کے ادیب
کے کلام کا انتقاد الفاظ اور ظواہر حسن سے کرے یا الفاظ کے ادیب پر خیالات
کے لحاظ سے تبصرہ کرے۔

(۳) اپنی پسند اور ناپسندیدگی کے لحاظ سے کسی کے کلام کو ناقص نہ
سمجھے۔ اکثر ناقد کسی کے کلام کو جو دراصل بہت بلند ہوتا ہے۔ محض اپنے
ذوق کے مطابق نہ پا کر اسے سمجھنے کے بجائے سیدھے اس سے اعراض و انکار
کر جاتا ہے۔ اس نکتہ کو ذرا بلند معیار سے سمجھنا چاہو تو ابوجہل وغیرہ
کفار عرب کی نفسیات پر نظر ڈالو کہ انھوں نے آخر وقت تک پیغمبر اسلام سے
اعراض ہی کیا۔

(۴) جس قسم کی شاعری اور جس شاعر سے ناقد کو انس و رغبت ہو مناسب
ہے کہ انھیں پر ناقد قلم اٹھائے اور جس شاعر سے اس کو مناسبت نہ ہو،

اس پر قلم اُٹھاکر کبھی صالح تنقید کی توقع نہ رکھے۔

(۵) لب و لہجہ انتقامانہ ہونے کے بجائے التماسانہ ہونا چاہیئے۔ تبصرہ کا مقصد تخریب ادیب و ادب نہ ہو بلکہ تعمیر ہو۔

بہر صورت یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ناقد کسی دوسرے کے کلام کو چونکہ اپنی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اسلیے کلام زیر تبصرہ میں بیشتر وہ اپنے ہی خیالات کا عکس پاتا ہے وہ فیصلہ کرتے ہیں اکثر اپنے علم و ذوق، اپنی ذہنیت کا اظہار کرتا ہے اگر وہ کلام کے محاسن نہیں دکھا رہا ہے (اور سچ تو یہ ہے کہ پورے محاسن دکھا سکتا بھی نہیں کیونکہ اس صورت میں ناقد کا ہر لحاظ سے ادیب کے برابر ہونا لازم آتا ہے جو ناممکن ہے) تو کم سے کم وہ تبصرہ میں اپنے آپ کو تو ضرور ہی نمایاں کر رہا ہے۔

داخلی تبصرہ کے لیے ضروری چیزیں مختصراً گذر چکیں اب خارجی تبصرہ کی ضروری باتیں سنو۔

ہم جیسا اوپر کہہ آئے ہیں یہ بھی پسندیدہ نہیں۔ کہ خیالات کے ادا و بیان کرنے کے لیے خراب الفاظ چُنے جائیں۔ خیالات کے اظہار کے لیے الفاظ ضروری ہیں اور جب عام گفتگو کیلیے بھی اچھے الفاظ کا انتخاب ضروری ہے تو عمدہ خیالات اور شاعری کیلیے انتخاب الفاظ اور عمدہ بندش کیوں نہ ضروری ہوگی الفاظ میں حُسن ہوتا ہے لہذا اس کا بھی لحاظ ضروری ہے مگر محض الفاظ کو اصل شاعری اور تمام شاعری نہ سمجھنا چاہیئے۔ عمدہ خیالات اور عمدہ شاعری کے ساتھ یہ چیزیں بھی ہوں تو حُسن دوبالا ہوجاتا ہے۔

بہر حال خارجی تبصرہ کیلیے حسب ذیل باتوں پر نظر ڈالنی چاہیئے:۔

الفاظ و محاورہ

(۱) ہر صنف نظم کے لیے خاص قسم کے الفاظ موزوں سمجھے گئے ہیں مثلاً غزل کے لیے رنگین۔ خوشنما۔ عاجزی اور دردمندی ظاہر کرنیوالے نرم۔ قصیدہ کیلیے پُرشکوہ۔ زوردار وغیرہ جیسا اقسام نظم و نثر میں لکھا گیا لہٰذا یہ دیکھنا چاہیئے کہ ادیب نے اس کا لحاظ رکھا ہے یا نہیں۔

(۲) انتخاب بحور بھی ضروری ہے۔ بعض بحریں اگر چہ غزل کیلیے ہیں لیکن کچھ بے ذوق ہیں ان میں غزل نہ ہو۔ مثنوی اپنی مخصوص بحروں ہی میں مناسب ہے۔ رباعیات کا مقررہ بحور و اوزان سے تجاوز ہونا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

(۳) الفاظ اچھے ہوں تو ایک بات یہ دیکھنی چاہیئے کہ ان کی ترتیب اور ترکیب میں ثقل تو نہیں۔

(۴) عام طور پر مقبول اور مروج محاورات کے خلاف تو ادیب نے نہیں لکھا۔ محاورات میں تصرف حتی الامکان نہیں چاہیئے لیکن زبردست ادیب کے لیے کوئی قید نہیں۔ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ زبردست ادیب ہمیں نئے الفاظ دیتا ہے۔ تو وہ نئے الفاظ یا نئے محاورات اسی طرح بنتے ہیں کہ کچھ تو بالکل نئے الفاظ و محاورات اور کچھ انھیں مروجہ محاورات میں تصرف کر کے۔

(۵) ادیب نے ایک ترتیب الفاظ پر جلد قناعت تو نہیں کر لی یعنی اگر ذرا اور غور کرتا اور ترتیبِ الفاظ کو الٹتا پلٹتا تو اس سے زیادہ صفائی شعر میں جاتی۔

لوازم اصناف نظم (۱) ادیب نے اگر غزل کہی ہے تو اُس نے (الف) دلی جذبات کی ترجمانی کی ہے یا نہیں (ب) کلام میں تاثیر ہے یا نہیں (ج) جذبہ یا خیال شریفانہ ہے یا نہیں کیونکہ غزل میں عشق کا ذکر درکار ہے نہ کہ عیاشی کا۔ (د) جذبہ کے اظہار میں ممکنات سے تجاوز تو نہیں کیا۔

(۲) اگر قصیدہ کہا ہے تو (ا) ابتدا کیسی رکھی ہے مطلع پُرزور ہے یا نہیں (ب) گریز کیسی کی ہے۔ تمہید اور مقصود کو عمدگی سے ملانے میں شاعر کامیاب ہوا یا نہیں (ج) الفاظ شان وشوکت والے ہیں یا نہیں (د) حسن کلام اور زور کلام کیلیے شاعر نے کیسی قوت صرف کی ہے (ہ) ممدوح کے اوصاف کو نمایاں کرنے میں کتنا کامیاب ہوا۔

(۳) اگر مثنوی لکھی ہے تو (ا) مقررہ اوزان وبحور میں ہے یا نہیں۔ (ب) داستان، اصلیت، واقعیت اور خاکہ کے لحاظ سے شاعری کے لیے مناسب بھی ہے یا نہیں (ج) شاعر نے واقعہ نگاری کا حق ادا کیا ہے یا نہیں۔ (د) شاعر نے محاکات سے کام لیا ہے یا نہیں (ہ) زیادہ تخئیل چونکہ اس میں معیوب ہے اس لیے شاعر نے تخئیل کو زیادہ تو ہاتھ نہیں لگایا (و) بطل داستان (ہیرو) کی حالت عمر۔ طبقہ کے مطابق اُس کی شخصیت دکھائی یا نہیں۔

(۴) اگر رباعی لکھی ہے تو (ا) اوزان مخصوص میں ہے یا نہیں (ب) چوتھا مصرع زوردار اور پوری رباعی کا خلاصہ اور جان ہے یا نہیں (ج) پوری رباعی میں ایک ہی خیال ہے یا نہیں (د) مضمون میں فلسفیانہ نظر جوش و تاثیر

ہے یا نہیں۔

لوازم اصناف نثر نثر میں مختلف مسائل اور مقاصد بیان کر سکتے ہیں لیکن ہر ایک مطلب و مضمون کیلیے کچھ الگ الگ اسلوب مقرر کئے گئے ہیں مثلاً۔

تاریخ:۔ اس میں زبان و بیان کی سادگی اور محاورات و استعارات سے آزادگی واجب ہے۔ کیونکہ اس میں مقصود واقعات ہیں۔ واقعات پر سادگی سے نظر ڈالی ہے یا نہیں۔ طرز بیان میں کسی جذبہ کی آمیزش تو نہیں سلسلۂ اسباب و علل کی تلاش کافی کی گئی ہے یا نہیں۔ رائے زنی میں طرفداری اور دشمنی تو نہیں۔

ادب:۔ اس میں انشا و بیان کے تمام تکلفات صرف کر سکتے ہیں استعارے کنایے۔ تلمیح۔ اقوال۔ امثال طنز لیکن فحش نہیں سبھی لا سکتے ہیں۔ مترادف الفاظ۔ مقابل کے جملے۔ زور۔ نزاکت وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ اس سے یہی مقصود ہے۔

فلسفہ و سائنس:۔ چونکہ اس میں مقصود مسائل اور حقائق ہیں اور اتفاق سے وہ مسائل خود مشکل سے سمجھ میں آتے ہیں اس لیے اس کی زبان لازماً آسان اور سادہ ہونی چاہیے تاکہ آسانی سے جلد سمجھ میں آجائے۔

تمام شد

پرنٹر کے بی اگروالا شانتی پریس۔ الہ آباد